تدبر

لاہور

جاری کردہ: مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مدیر: عبداللہ غلام احمد

یکے از مطبوعات:

ادارہ تدبر قرآن وحدیث

رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور، پاکستان

ای میل: tadabbur@hotmail.com

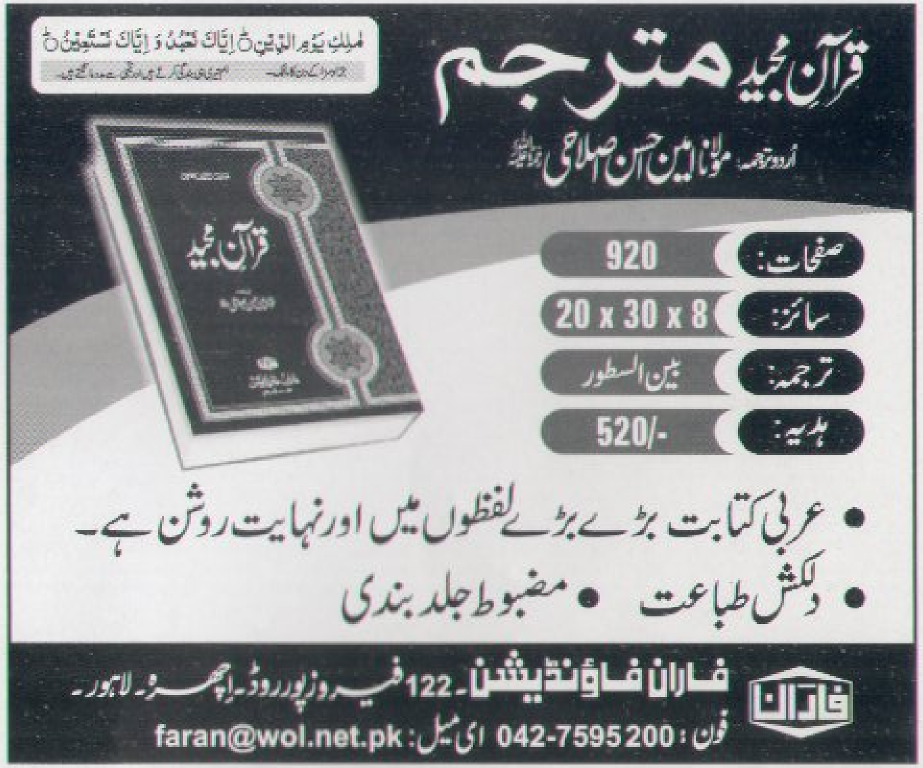

AL-MAWRID
Institute of Islamic Sciences

تدبّر
لاہور

جاری کردہ
مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مدیر:
عبداللہ غلام احمد

شمارہ 88
ستمبر 2005ء
شعبان 1426ھ

فہرست

تذکرہ تبصرہ
غیر مسلم اقوام کے ساتھ تعلقات کی بنیاد
عبداللہ غلام احمد 2

تدبر قرآن
تفسیر سورہ بقرہ
علامہ حمید الدین فراہیؒ / ڈاکٹر عبیداللہ فراہی 7

تدبر حدیث
• درس صحیح بخاری۔ کتاب فی اللقطۃ کی روایات
مولانا امین احسن اصلاحیؒ / اسید اسحاق علی 18
• درس موطا امام مالک۔ کتاب النذور والایمان کی روایات
مولانا امین احسن اصلاحیؒ / اسید اسحاق علی 27

مقالات
• نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ 35
• اعراف۔ محبوب سبحانی 48

مراسلہ مذاکرہ
مولانا امین احسن اصلاحیؒ / اسید اسحاق علی 51

مجلس ادارت
محبوب سبحانی
سعید احمد
سید اسحاق علی
محمد نعمان علی

قیمت: 15.00 روپے
سالانہ: 60.00 روپے
بیرون ملک: 400.00 روپے
(ماسوائے برصغیر)

ناشر: ادارہ تدبر قرآن وحدیث۔ رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور
E.mail : tadabbur @ hotmail .com

عبداللہ غلام احمد

غیر مسلم اقوام کے ساتھ تعلقات کی بنیاد

دورِ حاضر میں دنیا سمٹ کر ایک عالمی بستی (Global Village) کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ ذرائع آمد و رفت اور ذرائع ابلاغ میں اس قدر ترقی اور توسیع ہو چکی ہے کہ انسان دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک چند گھنٹوں میں پہنچ جاتا ہے اور اسی طرح معلومات کا تبادلہ صرف چند سیکنڈوں میں ہو جاتا ہے۔ یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا کرشمہ ہے کہ دور دراز ممالک سے رابطہ یا اس پر چڑھائی چند لمحوں میں ہو سکتی ہے۔ اس طرح ساری دنیا کے معاشی، اقتصادی، تجارتی، معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی معاملات اور مفادات باہم مشترک اور متصادم ہو گئے ہیں۔ اگرچہ اصولی طور پر ہر ملک و قوم کو اپنے مفادات کا تحفظ کرنے کا پورا حق ہے تاہم حقیقت حال یہ ہے کہ طاقت ور اور وسائل سے بہرہ ور قومیں اپنے مفادات کے تحفظ سے تجاوز کر کے کمزور اور غریب اقوام کا استحصال کر رہی ہیں۔ مسلمان ممالک بھی کچھ اسی طرح کی صورت حال کے شکار ہیں۔

اس ساری صورت حال کے باوجود یہ ممکن نہیں کہ مسلم ممالک دنیا سے کٹ کر الگ تھلگ رہیں۔ خوراک، تجارت، تعلیم، دفاع اور ٹیکنالوجی، غرض بے شمار پہلوؤں سے غیر مسلم ممالک اور اقوام کے ساتھ تعلقات قائم کرنا اور انھیں برقرار رکھنا ضروری ہے۔ خواہ مخواہ کسی قوم سے دشمنی مول لینا دانش مندی ہے نہ اسلام اس کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ البتہ غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات حسن سلوک، حق و صداقت، عدل و انصاف اور برابری کے اصول پر ہونے چاہئیں۔ اسلام ان تعلقات کی بنیادیں فراہم کرتا ہے جنھیں کسی قوم اور ملک کے ساتھ تعلقات استوار کرتے وقت پیش نظر رکھنا ازبس ضروری ہے۔

اسلام ایک ایسا دین ہے کہ جس میں دین، دنیا، مذہب اور سیاست کا الگ الگ کوئی تصور نہیں ہے۔ اس نے ہماری زندگی کے کسی گوشہ کو خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، آزاد نہیں چھوڑا ہے۔ اس نے جس طرح ہماری شخصی زندگی کے متعلق احکام دیے ہیں اسی طرح ہماری اجتماعی اور سیاسی زندگی کے لیے بھی احکام دیے ہیں۔ اور وہ ہر فرد اور معاشرہ سے ان کی تعمیل کا مطالبہ کرتا ہے۔ اسلام اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ مذہب ہر شخص کا

ذاتی معاملہ ہے اور اس کا معاشرے اور ریاست سے کوئی تعلق نہیں۔

اسلام انسانوں اور انسانوں کے درمیان عقائد اور اصول کے سوا ہر اختلاف کو غیر عقلی اور غیر فطری قرار دیتا ہے۔ وہ اس بات کو احمقانہ قرار دیتا ہے کہ ایک ہی آدم کی اولاد کے درمیان رنگ، نسل، زبان اور وطن کی بنیاد پر فرق کیا جائے۔ اس کے نزدیک کالے، گورے، مشرقی اور مغربی سب برابر ہیں۔ اسلام کا دعوی یہ ہے کہ وہ انسان کی عقل و فطرت کا بالکل صحیح مظہر ہے۔ اس وجہ سے جو لوگ اس کو مانتے ہیں وہ صحیح فطرت اور صراط مستقیم پر ہیں۔ جو نہیں مانتے وہ اپنے فطرت سے ہٹے ہوئے اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

اسلام امن اور سلامتی کا مذہب ہے۔ وہ انسانوں کو کاٹنے نہیں بلکہ جوڑنے کے لیے آیا ہے۔ وہ انسانیت کی تنظیم کے لیے نہایت عقلی اور فطری اصول دیتا ہے اور لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ نسل و نسب اور زبان و وطن کی تمام تنگ نظریوں، گروہ بندیوں اور تعصبات سے بالاتر ہو کر ان اصولوں پر مجتمع ہوں تا کہ خدا کی زمین پر ایک دوسرے سے دست و گریبان چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی جگہ ایک ایسا پر سکون گھرانا آباد ہو جس میں خدا کی ساری مخلوق اور آدم کی پوری نسل سما سکے۔ صرف وہی لوگ اس گھرانے سے الگ رہ جائیں جو نسلی اور وطنی تعصب کے مریض اور اپنے مخصوص مفادات کی خاطر انسانیت کے وسیع مفاد کے دشمن ہوں۔

اسلام کے نزدیک انسانوں اور انسانوں کے درمیان تفریق صرف اور صرف اسلام ہے۔ وہ ان تمام لوگوں کو بلا لحاظ نسل و نسب اور بلا امتیاز زبان و وطن ایک دوسرے کے ساتھ جوڑتا ہے جو اسلام کو بحیثیت ایک نظام زندگی کے تسلیم کرتے ہیں، وہی مسلم ہیں اور ان لوگوں کو اس قومیت سے الگ رکھتا ہے جو اسلام کو نہیں مانتے۔ وہ غیر مسلم ہیں خواہ وہ اسلام کے سوا کسی بھی مذہب کے پیروکار ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ رویے کے لحاظ سے غیر مسلموں کو عمومی طور پر دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ان دونوں قسموں کے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے بارے میں آئندہ سطور میں مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ایک قسم تو ان لوگوں کی ہے جو مسلمانوں سے مذہبی اختلافات تو رکھتے ہیں مگر وہ مسلمانوں سے جھگڑا نہیں کرتے، نہ وہ فساد برپا کرتے ہیں۔ وہ اپنے عقائد اور عبادات و رسومات سے سروکار رکھتے ہیں۔ وہ معاشرے میں امن و امان، صلح و آشتی اور خوش گوار تعلقات کو ترجیح دیتے ہیں۔ دوسرے ممالک اور اقوام کے ساتھ ان کے تعلقات مذہب کی بنیاد پر نہیں بلکہ تجارتی اور سیاسی مفادات کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ ایسے غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی و سیاسی تعلقات اور دفاعی معاہدات کی کوئی ممانعت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے حسن سلوک اور انصاف سے نہیں روکتا جو دین کے معاملہ میں مسلمانوں سے جنگ نہیں کرتے۔ نہ ان پر تشدد کرتے ہیں اور نہ

انہیں بے گھر کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (الممتحنة ۶۰: ۸)	اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملے میں نہ تم سے جنگ کی ہے اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

اسلام ایسے غیر مسلموں کے ساتھ نہ صرف یہ کہ تعلقات سے منع نہیں کرتا بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک، عدل وانصاف اور خوش معاملگی کی تلقین کرتا ہے تاہم تعلقات قائم کرتے ہوئے دور اندیشی اور معاملہ فہمی سے کام لینا نہایت ضروری ہے۔ یہ دیکھنا ہوگا کہ آگے چل کر ان تعلقات کے کیا اثرات ظاہر ہوں گے، کیا نتائج مترتب ہوں گے۔ مسلمانوں کے لیے مشکلات ومصائب کا سبب تو نہیں ہوں گے، ان کی خودمختاری اور آزادی تو سلب نہیں ہو جائے گی۔ اقتصادی طور پر دوست قوم یا ملک کے باجگزار اور غلام تو نہیں ہو جائیں گے۔ کسی دباؤ کے شکار تو نہیں ہوں گے۔ یہ تعلقات کسی برادر مسلمان ملک یا قوم کے مفادات کے خلاف تو نہیں۔ قومی وقار اور عزت تو مجروح نہیں ہوں گے۔ یہ پہلو بھی نظر سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے کہ باہمی تعلقات برابری کے اصول پر ہونے چاہئیں کیونکہ طاقت ور اور کمزور کے درمیان دوستی، محبت اور رواداری بے معنی الفاظ ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں۔

غیر مسلموں کی دوسری قسم وہ ہے جن کا کفر بالکل واضح ہے اور اسلام سے ان کی دشمنی اور عناد کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں۔ مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے دین کو مذاق اور کھیل بنالیا ہے۔ جہاں بھی اور جب بھی ان کو موقع مل جائے وہ مسلمانوں پر دست درازی کرتے ہیں۔ ان پر تشدد کرتے ہیں۔ ان پر طرح طرح کی الزام تراشیاں کرتے ہیں، تہمتیں لگاتے ہیں۔ انہیں اسلام سے منحرف اور بددل کرنے کے لیے طرح طرح کی حربے استعمال کرتے ہیں۔ دباؤ، لالچ، پراپیگنڈا، ذرائع ابلاغ، انٹرنیٹ، مخرب اخلاق فلمیں اور لٹریچر غرض کوئی ایسا ذریعہ استعمال کرنے سے نہیں چوکتے جس سے مسلمانوں کو گزند پہنچتا ہو۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑانے اور قتل وغارت پر انگیخت کرنے کے لیے ترغیب وترہیب سے بھی کام لیتے ہیں اور مسلمانوں کے ایک گروہ کے خلاف ان کے کسی دوسرے گروہ کی حمایت کرتے ہیں۔ ان سے مسلمانوں کے اموال واملاک محفوظ ہیں نہ عزت وآبرو۔ غیر مسلموں کی یہ قسم ہے جن سے دوستی، محبت اور ولاء کی ممانعت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں

سے دوستی سے سختی سے منع فرمایا ہے اور اس کا حکم قرآن مجید میں واضح طور پر کئی مقامات پر آیا ہے۔ چند آیات درج ذیل ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ (النساء ۴: ۱۴۴)	اے ایمان والو! مسلمانوں کے مقابل میں کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کی صریح حجت قائم کرا لو؟
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَاۗءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (المائدہ ۵: ۵۱)	اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ انہی میں سے ہے۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (المائدہ ۵: ۵۷)	اے ایمان والو! ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنالیا ہے، ان لوگوں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور نہ کفار کو۔ اور اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَي الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (التوبہ ۹: ۲۳)	اے ایمان والو! تم اپنے باپوں اور بھائیوں کو اپنا ولی نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔ اور تم میں سے جو لوگ ان کو اپنا ولی بنائیں گے تو وہی لوگ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ٹھہریں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے غیر مسلموں کے ساتھ رابطہ ضروری ہو جاتا ہے اس لیے ان کے ساتھ اولاد آدم ہونے کے ناطے سے تعلقات قائم ہونے چاہئیں، ان کے ساتھ حسن سلوک اور عدل و انصاف اور خوش معاملگی کا برتاؤ ہونا چاہیے تا کہ وہ مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق اور اقدار سے متاثر ہو کر نہ صرف اسلام کی طرف راغب ہوں بلکہ مسلمانوں کے ساتھ ان کا رویہ اصلاح پذیر ہو۔ البتہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ مسلمان اسلام کی صحیح نمائندگی کریں اور وہ غیر مسلموں سے مرعوب ہو کر ان کے تصورات، معتقدات اور طور طریقوں کو نہ اپنائیں۔ نہ اپنے ایمان اور اصولوں کو ان کی خوشنودی پر قربان کریں اور نہ مسلمانوں کے مفاد کا سودا کریں ورنہ ذلت اور بربادی ہی نصیب ہوگی۔

علامہ حمید الدین فراہیؒ

ترجمہ: ڈاکٹر عبید اللہ فراہی

تفسیر سورہ بقرہ

.... ۱۴ ....

۲۰۔ لفظوں کی تاویل اور نظم کے بعض اشارات

اس فصل میں ہم صرف لفظوں کی تاویل بیان کرنے پر اکتفا کریں گے۔ رہا دونوں آیتوں کی مجموعی اور تفصیلی تاویل کا معاملہ تو اگلی فصلوں میں آپ ملاحظہ کر سکیں گے۔

الذین کفروا:

اس سے ایک مخصوص گروہ مراد ہے جیسا کہ عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق آگے خبر دی ہے کہ ان کو انذار سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا، وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے۔ یہ معلوم ہے کہ بہت سے لوگ جو پہلے کفر میں مبتلا ہوئے، بعد میں ایمان لائے، اس لیے یہاں لازماً ان کے بجائے دوسرے قسم کے لوگ مراد ہونے چاہئیں۔ اس حد تک تخصیص سے کسی کو اختلاف نہیں ہے پھر خود کفروا کے لفظ اور اس کے موقع و محل سے اس طرح کے اشارات نکلتے ہیں کہ اس سے مشرکین کے وہ سردار مراد ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے قطع تعلق کیا تھا کیوں کہ "الذین کفروا" جب بغیر کسی ایسے قرینہ کے جو اسے کسی اور مفہوم کی طرف لے جائے یا ان چیزوں کا ذکر کیے بغیر جن کا انہوں نے انکار کیا ہے مطلق صورت میں آتا ہے تو مشرکین کے لیے ایک جامع لفظ کی حیثیت سے آتا ہے۔ اس وجہ سے کہ یہی لوگ تھے جنہوں نے مختلف پہلوؤں سے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا تھا جیسے توحید، معاد اور رسالت کا انکار اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری اور ناقدری بالخصوص اس کتاب کی جو ان کی طرف اتاری گئی تھی۔ یہی سبب ہے کہ جب قرآن ان کے علاوہ کسی اور کے لیے اس لفظ کو استعمال کرتا ہے تو کوئی نہ کوئی قرینہ اس پر دلیل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ (البینہ ۹۸:۶)

بے شک اہل کتاب اور مشرکین میں سے جنہوں نے کفر کیا۔

یہود کے ذکر میں آیا ہے:

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ (البقرہ ۲:۸۹)

اور وہ پہلے ہی سے کافروں (یعنی مشرکین) کے مقابلہ میں فتح کی دعائیں مانگ رہے تھے لیکن جب ان کے پاس وہ چیز جس کو وہ جانتے تھے آئی تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا پس ان منکروں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔

مشرکین کو "الذین کفروا" سے موسوم کرنے کے شواہد آگے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کی وضاحت کے موقع پر ہم پیش کریں گے، ایسا نہیں کہ اہل کتاب کفر کے مرتکب نہیں ہوئے، لیکن قرآن مجید نے کہیں بھی ان کا ذکر "الذین کفروا" سے بغیر کسی قرینہ کے نہیں کیا ہے۔

پھر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ مطلق الفاظ کے باب میں جو چیز اصل کی حیثیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے نفس حقیقت کو بتانا مقصود ہوتا ہے چنانچہ اس لفظ سے مشرکین کو یاد کرنا بالذات ان کے شرک یا توحید، آخرت اور رسالت میں سے خاص کسی ایک چیز سے ان کے انکار پر دلالت نہیں کرتا بلکہ مطلق ان کے انکار کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ان کے جہل، شہوات میں ان کے انہماک اور حق بات سننے سے ان کے اعراض واستکبار پر مبنی تھا۔

ان سب کے پیچھے اصل وجہ یہ تھی کہ وہ آخرت پر یقین سے کلیتہً عاری و خالی ہو چکے تھے کیوں کہ یہی چیز غفلت اور استکبار کا سبب بنتی ہے اور آخرت کے انکار کا مطلب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات قدرت و حکمت اور عدل و رحمت کا انکار کر دینا۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے جس طرح یہ واضح فرما دیا ہے کہ آخرت کو نہ ماننا ہی ان کے انکار و استکبار کا اصل سبب ہے اسی طرح یہ بھی بتا دیا کہ آخرت کا انکار اصلا اللہ کا انکار ہے اس کی تفصیل "لایومنون" کی تاویل کے ضمن میں آئے گی۔ البتہ خاص اس لفظ سے جو اشارات مستنبط ہوتے ہیں وہ ہم نے یہاں پر ذکر کر دیے ہیں۔

پھر قرآن مجید نے بھی بہت سی جگہوں پر ان کی وہی خصوصیت بیان کی جس کا ہم نے اوپر تذکرہ کیا یعنی

انکاری روش پر قائم رہنا اور اس میں حد سے آگے نکل جانا، مثلاً فرمایا ہے:

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (البقرہ ۲:۱۷۱)

ان کافروں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی ایسے کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سنتا سمجھتا ہو۔ یہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں یہ سمجھ نہیں سکتے۔

اس کی مثالیں بہت ہیں۔

اوپر جو باتیں ہم نے عرض کی ہیں ان سے صاف ہو جاتا ہے کہ یہاں تین امور کی طرف توجہ مبذول کرائی گی ہے:

۱۔ ایک تو یہ کہ "الذین کفروا" کا لفظ خاص کر کے ایک معلوم گروہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔[1]

۲۔ دوسرے حق کو جان لینے کے بعد انہوں نے کفر پر اصرار کیا ہے۔

۳۔ تیسرے وہ لقاء الٰہی کے منکر اور خوف خدا سے یکسر عاری ہیں۔

اس لفظ کی دلالت کے جو پہلو ہم نے بیان کئے ہیں ان کی وجہ سے علماء تفسیر کے درمیان اس پر اختلاف نہیں کہ یہاں مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو جان لینے کے بعد ہٹ دھرمی دکھائی اور انکار کی روش پر برابر قائم رہے البتہ ان کا نام متعین کرنے میں ان کے درمیان معمولی سا اختلاف ہے۔ اس ضمن میں تین اقوال جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں ہمارے سامنے ہیں۔

پہلا قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان یہود کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے جو

---

[1] دوسری تاویل "ان الذین کفروا" یعنی وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب اور آپ کی دعوت کا انکار کر دیا۔ چوں کہ ان لوگوں نے حق کو جان لینے کے بعد کفر کی روش اختیار کی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب مقفل کر دیے اور ان پر لعنت مسلط کر دی۔ قرآن مجید میں بہت سی جگہوں پر بتایا گیا ہے کہ کس طرح کے لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے چنانچہ "الذین کفروا" کا لفظ ان مشرکین مکہ کو جن سے ناطہ توڑ کر آپ نے ہجرت فرمائی اور مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے یہود سب کو شامل ہے کیوں کہ یہی وہ لوگ تھے جن پر حق پوری طرح واضح ہو چکا تھا اور انہوں نے اس کا انکار کر دیا تھا اور آخرت پر دنیوی زندگی کو ترجیح دی تھی جس کی وجہ سے ان کے قلوب سخت ہو گئے۔ آیت "ختم اللہ علی قلوبھم" اسی حقیقت کی تعبیر ہے چنانچہ ان لوگوں کو بعد میں بھی ایمان لانے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مدینہ کے گردونواح میں آباد تھے ان کے لیے اس میں توبیخ کا پہلو ہے کہ انہوں نے آپؐ کو اچھی طرح جانتے ہوئے اور اس امر سے واقف ہونے کے باوجود کہ آپؐ ان کی طرف اور تمام انسانوں کی جانب اللہ کے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیا اور آپ ﷺ کی تکذیب کی۔ (تفسیر الطبری ۱:۲۵۱: رقم: ۲۹۵)

ابن عباسؓ نے یہ تاویل اس لیے اختیار کی کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس سے زیادہ خطاب یہود سے ہے نیز اس میں ان کی طرف سے اس پیغمبر کے انکار کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس بات پر ان کی توبیخ کی گئی ہے۔ دیکھیے آیات: ۷۵-۱۰۰

دوسرا قول بھی ان ہی سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ''ذکر اول'' (پہلے صحیفوں) میں اللہ کی جانب سے بدبخت قرار دیے جا چکے ہیں۔ یہ قول بھی پہلے ہی قول کے مشابہ ہے البتہ اس میں انہوں نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار یہود کے دلوں پر مہر لگا دینے کا جو فیصلہ فرمایا ہے تو یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ ان کے متعلق اس طرح کا فیصلہ پہلے بھی ہو چکا ہے جب کہ انہوں نے رب کی نافرمانی کی تھی جیسا کہ ''ذکر اول'' میں آیا ہے۔ اس سے مراد کتاب تواریخ ہے جو زبور سے پہلے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ (انبیاء۲۱:۱۰۵) میں مذکور ہے کہ اگر انہوں نے اللہ کی اطاعت نہیں کی اور اس کے راستہ سے برگشتہ ہو گئے اور غیر اللہ کی عبادت کرنے لگے تو اس کا ان سے وعدہ ہے کہ وہ ان پر لعنت مسلط کر دے گا۔ (دیکھیے۲۔ تواریخ ۷:۱۹-۲۲)

اس سے ملتی ہوئی بات قرآن مجید میں بھی آئی ہے۔ فرمایا ہے:

تذکرہ

سورہ نحل کی آخری آیات میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ الذین کفروا سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا۔ اس بنیاد پر یہ لفظ ان تمام لوگوں کو شامل ہو سکتا ہے۔ جو حق کے واضح ہو جانے کے بعد کفر میں مبتلا ہوئے یعنی یہود اور وہ مشرکین جن کے سامنے حق پوری طرح واضح تھا لیکن محض کبر و حسد اور حب دنیا کی وجہ سے انہوں نے اس کا انکار کیا گویا سورہ نحل کی یہ آیات اس آیت کی تفسیر ہیں۔ فرمایا ہے:

من كفر بالله من بعد ايمانه الا من اكره وقلبه مطمئن بالايمان ...... ذلك بانهم استحبوا الحياة الدنيا على الآخرة وان الله لايهدى القوم الكافرين، اولئك الذين طبع الله على قلوبهم ...... ان ربك من بعدها لغفور رحيم. (۱۰۶-۱۱۰)

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ فِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝

(المائدہ ۵:۷۸-۸۰)

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت ہوئی یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے آگے بڑھ جایا کرتے تھے۔ جس برائی کو اختیار کر لیتے اس سے باز نہ آتے۔ نہایت بری بات تھی جو یہ کرتے تھے۔ تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ کفار کو اپنا دوست بناتے ہیں، نہایت برا ہے جو انہوں نے اپنے واسطے آگے بھیجا ہے وہ یہ کہ خدا ان پر غضبناک ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے بنے۔

معلوم ہوا کہ مشرکین کے ساتھ یاری دوستی نے ان کو کفر صریح میں مبتلا کر دیا یہاں تک کہ ان کا وہ حال ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق خبر دی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۝ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۝ (النساء۴:۵۱-۵۵)

کیا دیکھا نہیں ان کو جنہیں کتاب الٰہی کا حصہ ملا یہ جبت اور طاغوت پر اعتقاد رکھتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ تو ایمان والوں سے زیادہ راہ یاب ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جن کو اللہ ملعون قرار دے دے اس کا کوئی مددگار نہ پاؤ گے کیا خدا کے اقتدار میں ان کا کچھ دخل ہے تب تو وہ لوگوں (مسلمانوں) کو ذرا سی چیز بھی نہ دیتے۔ کیا یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس فضل پر جو اللہ نے ان کو بخشا ہے تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے عطا کی ہے آل ابراہیم (یعنی بنی اسماعیل) کو کتاب و حکمت اور ان کو دی ہے ایک عظیم سلطنت۔ سو ان میں سے بعض (یعنی بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ) ایسے ہیں جو اس پر ایمان لائے۔ (یعنی کتاب و حکمت پر جو ہم نے بنی اسماعیل کو عطا کی ہے) اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس سے روگردانی کی۔ ایسوں کے لیے جہنم کی بھڑکتی آگ کافی ہے۔

یہ آیتیں یہود کے لیڈروں کے ذکر میں آئی ہیں جنہوں نے مشرکین مکہ کے ساتھ ایکا کر لیا تھا اور ان کو مسلمانوں کے خلاف جب وہ مدینہ ہجرت کر کے آگئے اور اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کے قدم جما دیے پھر ان کو حکومت اور اقتدار سے بھی نواز دیا، جنگ پر اکسایا کرتے تھے۔ ان کی یہ حرکت محض مسلمانوں کے حسد میں تھی کیوں کہ یہود جانتے تھے کہ ان کے پاس آل ابراہیم کی جو برکت ہے یہ اسی کی تصدیق ہے اور وہ پوری ہونے جا رہی ہے جیسا کہ اس کے محل میں وضاحت ہو چکی ہے۔

چنانچہ ابن عباسؓ کے نزدیک "الذین کفروا" کے مصداق وہ کفار یہود ہیں جو بعثت نبوی کی صداقت سے واقف تھے لیکن حسد اور سرکشی کی بناء پر انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔

تیسرا قول حضرت ربیع بن انسؓ کا ہے فرماتے ہیں کہ دونوں آیتیں گروہوں کے سرغنہ حضرات کے سلسلہ میں آئی ہیں۔ اور ان ہی لوگوں کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ o جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ o
(ابراہیم ۱۴: ۲۸-۲۹)

کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر غور نہیں کیا جنہوں نے اللہ کی نعمت کے بدلے کفر کو اختیار کر لیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں لا کر اتار دیا۔ ایک جہنم جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ نہایت برا ٹھکانا ہے۔

اور یہی لوگ ہیں جو غزوہ بدر میں مارے گئے۔ (الطبری ۱: ۲۵۲، رقم: ۲۹۸)

حضرت ابن عباسؓ نے سورہ کے مقام نزول اور اس کے مخاطبین کو پیش نظر رکھا ہے جنہیں اس سورہ میں زیادہ تر مخاطب بنایا گیا ہے اور ذکر بھی ان ہی کا زیادہ آیا ہے اور حضرت ربیع بن انسؓ کی نظر سورہ کے زمانہ نزول اور قرآن مجید میں "الذین کفروا" کے ان استعمالات پر گئی جہاں وہ مطلق صورت میں آیا ہے۔ نیز انہوں نے آیات کے حسن نظم اور موقع کلام کو جس میں دو الگ الگ گروہوں کی باقاعدہ تقسیم دکھائی دے رہی ہے اپنے سامنے رکھا ہے۔

یہاں دونوں کے وجوہ استنباط کا ذکر ہم نے اس لیے کیا کہ الفاظ کی تاویل کے سلسلہ میں سلف کے طریقہ کا علم ہو جائے اور یہ بھی پتا چل جائے کہ ان کی رائیں ایک دوسرے سے کتنی قریب ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو دونوں تاویلوں کو ایک ساتھ جمع کر سکتے ہیں اس طور پر کہ اس لفظ کو حقیقی معنی میں تو خالص اور ٹھیٹ قسم کے مشرکین پر دال ٹھہرائیں اور کفار یہود کی طرف اسے تعریض مانیں۔ ان مشرکین پر اس دلالت کی وجہ یہ ہے کہ

انہوں نے حق کو اچھی طرح جان لینے کے بعد اس کا انکار کیا اور اپنی گمراہی پر برابر قائم رہے، خوف خدا سے بالکل عاری و خالی ہو چکے تھے اور اس کی ملاقات کا ان لوگوں کو کوئی اندیشہ نہ تھا اور اس وجہ سے بھی وہ اس کے مصداق ٹھہرتے ہیں کہ قرآن مجید نے اس نام سے ذاتی طور پر ان ہی کو مراد لیا ہے۔

اور کفار یہود کی طرف تعرض کا پہلو اس لیے نکل رہا ہے کہ وہ بھی ان صفات میں ان کے شریک تھے اور ان کے اندر بھی یہی بیماری پائی جاتی تھی۔

اگرچہ سورہ میں زیادہ تر خطاب یہود سے ہے لیکن بہت سی جگہوں پر ان لوگوں کا تذکرہ صراحت کے ساتھ ہوا ہے جن سے قطع تعلق کر کے رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی بلکہ کہنا چاہئے کہ آخر کی نصف سورہ ان ہی سے متعلق ہے۔ اس بات کی صحت کا پورا اندازہ سورہ پر مکمل نظر ڈالنے، اس کے نظم اور مطالب کے حسن پر غور کرنے اور آئندہ فصلوں میں جو باتیں ہم بیان کریں گے ان کو دیکھنے کے بعد ہی ہو سکے گا پھر جو وضاحت ہم نے اوپر کی ہے وہ دونوں تاویلوں کی جامع بھی ہے۔

أأنذرتهم:

انذار کو مطلق اور عام اس لیے رکھا کہ وہ انذار کے تمام پہلوؤں کا جامع ہو۔ موقع کلام اس بات پر دلیل ہے کہ یہاں پہلی چیز جو ملحوظ ہے وہ انذار بالقرآن ہے فرمایا ہے:

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا o (مریم ۱۹: ۹۷)

ہم نے اس کتاب کو تمہاری زبان میں اس لیے سہل بنایا تاکہ تم اس کے ذریعہ متقیوں کو بشارت دو اور جھگڑالو لوگوں کو آگاہی سنا دو۔

نیز فرمایا:

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ (الاعراف ۷: ۲)

یہ ایک کتاب ہے جو تمہاری طرف اتاری گئی ہے تو اس سے تمہارے دل میں کوئی پریشانی نہ ہو تاکہ تم اس کے ذریعہ انذار کرو۔

ایک اور جگہ پر ہے:

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ
(الانعام ۶: ۱۹)

اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ تم کو ڈراؤں۔

اس کی مثالیں بہت ہیں۔ یہ تو ہوئی وہ چیز جس کے ذریعہ ان کو ڈرایا جاتا رہا۔ اور جس چیز سے ان کو ڈرایا گیا وہ قیامت کا دن اور اس کی ہولناکی ہے۔ فرمایا ہے:

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ (غافر۴۰:۱۸)	اور ان کو قریب آ لگنے والی آفت سے ڈرا جب دل حلق میں آ پھنسیں گے اور وہ غم سے گھٹے ہوئے ہوں گے۔

نیز فرمایا ہے:

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا (الانعام۶:۱۳۰)	اے جنوں اور انسانوں کے گروہ کیا تمہارے پاس تمہیں میں پیغمبر نہیں آئے جو تم کو میری آیتیں سناتے اور تمہارے اس آج کے دن کی ملاقات سے تم کو خوف دلاتے رہے۔

اس کی بھی مثالیں بہت ہیں۔

لایومنون:

مطلق ہونے کی وجہ سے یہ بھی جامع مفہوم میں آیا ہے جیسا کہ اس طرح کے دوسرے مطلق الفاظ کے سلسلہ میں یہ بات گزر چکی ہے لیکن یہاں اول پیش نظر جو مفہوم ہے وہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی تمام چیزوں پر ایمان ہے بالخصوص اس قرآن پر کیوں کہ اس پر ایمان لانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ان تمام کتابوں پر ہمارا ایمان ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں۔ پھر قرآن مجید کے استعمالات سے بھی اس مفہوم کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اس نے مومنین کا لفظ جہاں بھی مطلق صورت میں استعمال کیا ہے اس سے قرآن پر ایمان لانے والوں ہی کو مراد لیا ہے اور جہاں اس لفظ سے ان کے علاوہ لوگوں کو مراد لیا ہے وہاں کسی نہ کسی قرینہ کو اس پر دلیل ٹھہرایا ہے جیسا کہ مشرکین کو کافرین کے لفظ سے موسوم کرنے کے سلسلہ میں ہم وضاحت کر چکے ہیں، مثال کے طور پر فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (البقرہ۲:۶۲)	بے شک جو ایمان لائے، جو یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین ان میں سے جس نے اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھا اور نیک عمل کیے ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے۔

اس طرح کی آیات کثرت سے آئی ہیں۔

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ کیا کفر ایمان کی ضد نہیں ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر آپ نے "الذین کفروا" کے یہ معنی کیوں نہیں لئے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی چیز کا انکار کیا جیسا کہ "لایومنون" کے معنی کے سلسلہ میں آپ نے اس کا خیال کیا یا "لایومنون" کے یہ معنی کیوں نہیں مراد لئے کہ وہ لقاء رب پر ایمان نہیں رکھتے جیسا کہ "الذین کفروا" کے سلسلہ میں آپ نے اس کا اعتبار کیا تھا جب دونوں ہی الفاظ مطلق صورت میں آئے ہیں تو پھر آپ نے ان کو خاص کیوں کر دیا۔ پھر تخصیص کی جہت میں فرق کرنے کے کیا معنی؟

اس سلسلہ میں ہم یہ کہنا چاہیں گے کہ مطلق الفاظ کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ ان کے حقیقی مفہوم کو مراد لیا جائے جیسا کہ پہلے گزرا، اور کفر کی اصل حقیقت تخریب ہے جب کہ ایمان تعمیر کو کہتے ہیں۔ تخریب کا مطلب سب کو ڈھا دینا نہیں ہوتا لیکن تعمیر کے لیے ضروری ہے کہ وہ پایہ تکمیل کو پہنچے تاکہ وہ اس نام کی مستحق ہو۔ قرآن مجید نے اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ ایمان اسی وقت ایمان کہلائے گا جب وہ ان تمام چیزوں پر ایمان کو شامل ہو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں۔ یہی ایمان کی اصل حقیقت ہے۔ اور کفر کی حقیقت انکار اور کفران نعمت ہے اور اس کی اصل خشیت کا نہ ہونا اور لقاء رب کی توقع کا معدوم ہو جانا ہے۔ چنانچہ ہم نے "الذین کفروا" اور "لایومنون" کی تخصیص ان کے مفعول کی جہت سے نہیں کی ہے بلکہ ان کی اصل حقیقت کے لحاظ سے کی ہے کیوں کہ دونوں مطلق صورت میں آئے ہیں، پھر جو بات ہم نے کہی ہے اس کے لیے ہمارے پاس بہت سے دلائل ہیں۔ جن میں سے بعض کا ذکر ہم اگلی فصل میں کریں گے۔

ختم اللّٰہ علی قلوبھم:

ظاہر ہے کہ یہ ختم یعنی مہر کر دینے کی بات ایک معنوی امر ہے، اس مفہوم کی طرف قرآن مجید نے ایک سے زائد آیتوں میں رہنمائی کی ہے۔ مثلاً فرمایا ہے:

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ○ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ○ (یٰس ۳۶:۸-۹)	ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں جو ان کے ٹھوڑیوں تک ہیں سو وہ اس حال میں ہیں کہ ان کے سر اٹھے کے اٹھے رہ گئے ہیں۔ اور ہم نے ان کے آگے اور پیچھے دونوں طرف روک کھڑی کر دی ہے اس طرح ہم نے ان کو ڈھانک رکھا ہے پس وہ دیکھ نہیں سکتے۔

یا اغلال، یہ سد اور یہ غشاوہ سب معنوی حقائق ہیں۔

ایک اور جگہ آیا ہے:

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ (اسراء ۱۵:۴۵)

اور جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک مخفی پردہ حائل کر دیتے ہیں۔

یہ حجاب کوئی جسمانی یا مادی حجاب نہیں ہے، اس کے لیے قرآن مجید میں دلائل موجود ہیں۔ بلکہ یہ مجاز کا عام اسلوب ہے جو ہر زبان میں پایا جاتا ہے۔ اس سے مراد وہ اسباب ہیں جو ان کو قبول حق سے روکتے ہیں مثلاً سنگ دلی اور قبولیت سے نفور جس کے نتیجے میں قلب میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

ولھم عذاب عظیم:

ظاہر عطف سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ ختم اور غشاوہ ایک قسم کا عذاب ہے اس کے بعد ان کے لیے آخرت میں یا دنیا و آخرت دونوں جگہ مستقل عذاب ہے۔ عبارت سے یہی مطلب نکل رہا ہے، اس پر مزید دلائل آگے آئیں گے۔

فائدہ:

ماسبق میں "ھدی" کے نام اور اس کے مختلف معنوی پہلوؤں میں سے ایک پہلو یعنی صاف سیدھے راستہ کا ذکر آ چکا ہے، پیغمبر اسی راستہ کی طرف بلاتا رہتا ہے لیکن جو شخص سماعت سے محروم ہو وہ اپنے پکارنے والے کی آواز کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا پھر بھی اس کا امکان ہوتا ہے کہ وہ اس کے ایماء و اشارہ کی جانب متوجہ ہو جائے۔ اور اگر وہ بصارت سے بھی محروم ہو تو راستہ دکھانے والے کی دعوت اس کے لیے بے کار ہوتی ہے وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اس آیت میں اسی طرح کی بات کہی گئی ہے۔

اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (الاعراف ۷:۱۹۸)

اگر تم ان کو رہنمائی کے لیے پکارو تو وہ تمہاری بات نہ سنیں گے اور تم ان کو دیکھتے ہو کہ وہ تمہاری طرف نظریں اٹھائے ہوئے ہیں لیکن انہیں سوجھتا کچھ بھی نہیں۔

ذیل کی آیت بھی قریب قریب اسی مفہوم میں ہے:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاۗءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (النمل ۲۷:۸۰-۸۱)

تم مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ (یعنی ان کافروں کو جنہیں تمہاری یاد دہانیوں کا کچھ بھی احساس نہیں) اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہو جب کہ وہ پیٹھ پھیرے ہوئے ہوں اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے پھیر کر راہ پر لانے والے بن سکتے ہو۔ تم تو بس ان ہی کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس وہی فرمانبردار لوگ ہیں۔

یعنی بہرا آدمی اگر پیٹھ پھیر لے تو بلانے سے اس کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اس کے پیٹھ پھیر لینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دل ہی پھر گیا ہے اور اس نے نفور اختیار کر لیا ہے ایسا شخص حقیقی معنوں میں اندھا ہوتا ہے۔ اور اندھا جب پیٹھ پھیر لے اور اعراض سے کام لے اور وہ بہرا بھی ہو تو یہ ممکن نہیں کہ اسے راستہ بتایا جا سکے، نہ اشارے سے اور نہ آواز دے کر۔ اسی طرح کی بات آیت ذیل میں کی گئی ہے:

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (البقرہ ۲:۱۸)

ان سب باتوں کا ماحصل ایک ہے اور وہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کی اتاری ہوئی چیز پر ایمان لانے والے نہیں ہیں کیوں کہ وہ اس کے اسباب و ذرائع سے محروم ہو چکے ہیں جن میں سب سے اہم خشیت الٰہی اور نتائج اعمال کا خوف ہے۔ یہ لوگ اس سے بے پرواہ ہو کر اپنے پورے وجود سے اس دنیا پر فریفتہ ہو چکے ہیں اور اس کی لذتوں میں گم ہو کر رہ گئے ہیں۔ اسی بناء پر اس دنیا سے ماوراء چیزوں کی طرف سے ان کے دل پھیر دیئے گئے ہیں۔

(جاری ہے)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

درس صحیح بخاری

کتاب فی اللقطه

گری پڑی چیز کے بارے میں کتاب

۴. باب: اِذَا لَمْ یُوجَدْ صَاحِبُ اللُّقَطَةِ بَعْدَ سَنَةٍ فَهِیَ لِمَنْ وَجَدَهَا

باب: اس بارے میں کہ جس کا گمشدہ مال ہے وہ ایک سال بعد بھی نہ آئے تو وہ اس کے لیے ہے جس نے اس کو پایا ہے۔

۴. حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ یُوسُفَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ رَبِیعَةَ بْنِ اَبِی عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ یَزِیدَ مَولَی الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَسَاَلَهُ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَقَالَ اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَ وِكَائَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَاِلَّا فَشَانَكَ بِهَا قَالَ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ قَالَ هِیَ لَكَ اَوْ لِاَخِیكَ اَوْ لِلذِّئْبِ قَالَ فَضَالَّةُ الْاِبِلِ قَالَ مَالَكَ وَلَهَا مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَاْكُلُ الشَّجَرَ حَتّٰی یَلْقَاهَا رَبُّهَا۔

ترجمہ: زید بن خالدؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور لقطہ یعنی پڑی ہوئی چیز کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی تھیلی اور بندھن کو پہچان رکھ پھر سال بھر تک لوگوں سے دریافت کرتا رہ۔ اگر اس کا مالک آجائے تو بہتر

ورنہ تیرا اختیار ہے۔ اس نے پوچھا گمشدہ بکری ملے تو کیا کروں۔ آپ نے فرمایا وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیے کی۔ اس نے پوچھا تو کسی کا گمشدہ اونٹ ملے تو کیا حکم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونٹ سے تجھے کیا کام۔ اس کے ساتھ موزہ ہے مشک ہے وہ پانی پی لیتا ہے پتے کھالیتا ہے یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو پالے۔

وضاحت:

یہ وہی روایت ہے جو اوپر گذر چکی ہے۔ ایک ہی باب میں تمام نکات بیان کر کے امام صاحب روایت نقل کر دیتے تو بار بار کی تکرار نہ ہوتی۔

۵. باب: اِذَا وَجَدَ خَشَبَةً فِی الْبَحْرِ اَوْ سَوْطًا اَوْ نَحْوَهُ وَقَالَ اللَّیْثُ

حَدَّثَنِی جَعْفَرُ بْنُ رَبِیعَةَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلًا مِنْ بَنِی اِسْرَائِیلَ وَسَاقَ الْحَدِیثَ فَخَرَجَ یَنْظُرُ لَعَلَّ مَرْكَبًا قَدْ جَاءَ بِمَالِهِ فَاِذَا هُوَ بِالْخَشَبَةِ فَاَخَذَهَا لِاَهْلِهِ حَطَبًا فَلَمَّا نَشَرَهَا وَجَدَ الْمَالَ وَ الصَّحِیفَةَ۔

باب: اس بارے میں کہ دریا میں کوئی لکڑی یا میدان میں کوئی کوڑا یا اس طرح کی کوئی چیز گری پڑی مل جائے تو کیا حکم ہے۔

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن ہرمز حضرت ابو ہریرہؓ سے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے بنی اسرائیل کے ایک مرد کا ذکر کیا اور حدیث کو بیان کیا۔ پھر وہ شخص یہ دیکھنے کے لیے نکلا کہ شاید کوئی جہاز آیا ہو اور اس کا روپیہ لایا ہو تو اس نے دیکھا کہ ایک لکڑی تیر رہی ہے۔ وہ اس کو اٹھا لایا کہ گھر والے جلانے کے لیے استعمال کرلیں۔ جب اس کو چیرا تو اس میں سے روپیہ نکلا اور خط ملا۔

وضاحت:

اس باب میں جو روایت ہے وہ کتاب الکفالہ فی القرض میں گزر چکی ہے۔ وہ روایت یوں ہے کہ

ایک یہودی نے دوسرے یہودی سے ایک ہزار اشرفیاں ایک معین مدت پر واپسی کے وعدہ پر قرض لیں اور کسی سمندری سفر پر چلا گیا۔ اپنا کام پورا کر کے چاہا کہ جہاز پر سوار ہو کر اپنے وعدہ پر پہنچ جائے اور قرض ادا کر دے لیکن کوئی جہاز نہ ملا۔ تو اس نے یہ کیا کہ ایک لکڑی کو چیر کو اس میں ہزار اشرفیاں اور خط رکھ کر بند کر دیا اور دریا میں ڈال دیا۔ جس نے قرض دیا تھا وہ دریا پر آیا اس خیال سے کہ شاید کوئی جہاز آتا ہو اور میرا مال مجھے ملے لیکن کوئی جہاز نہیں آیا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک لکڑی تیر رہی ہے تو وہ اس نے اٹھالی اور گھر لے آیا کہ جلانے کے کام آسکے گی۔ جب اس کو چیرا تو اس میں ہزار اشرفیاں اور خط ملا۔ وہاں میں نے اس روایت کو رد کر دیا تھا کہ اس روایت کو عقل سے اور نقل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہاں امام صاحب نے اس پر باب باندھ دیا ہے۔ اس لیے باب پر رائے دینا بھی ضروری ہو گیا ہے۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ کوئی گری پڑی چیز ہو یا لکڑی ہو تو آپ اس کو جلانے کے لیے اٹھا سکتے ہیں لیکن دریا آج کل بار برداری کا بڑا ذریعہ بھی ہیں۔ اوپر پہاڑوں پر درختوں کی لکڑی کاٹ کر دریاؤں میں بہا دیتے ہیں۔ نیچے لکڑی کی منڈیاں ہوتی ہیں۔ وہاں کے تاجر اپنا مال پہچان کر لے لیتے ہیں اگر اس طریقہ سے ہر تیرنے والی لکڑی کو نکال لینے کی اجازت دے دی جائے تو بڑی مشکل پیش آئے گی۔ یہ لقطہ کے حکم میں نہیں ہوتے۔ جس روایت پر امام صاحب نے اپنے موقف کی بنیاد رکھی ہے وہ ایک اسرائیلی قصہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اسرائیلی روایات میں حضرت ابو ہریرہؓ کا نام اس لیے لے لیتے ہیں کہ وہ کثیر الروایت ہیں۔ کسی دوسرے کا نام ہو تو لوگ باور نہیں کریں گے۔ سوال یہ ہے کہ اس قصہ کے نقل کرنے میں فائدہ کیا ہے۔

۲. باب: اِذَا وَجَدَ تَمْرَةً فِی الطَّرِيقِ

باب: اس بارے میں کہ آدمی راہ میں گری پڑی کھجور پائے تو کیا حکم ہے

۵. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ طَلْحَةَ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ ﷺ بِتَمْرَةٍ فِی الطَّرِيقِ قَالَ لَوْلَا اَنِّی اَخَافُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَاَكَلْتُهَا وَقَالَ يَحْيٰى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ

حَدَّثَنِی مَنْصُورٌ وَقَالَ زَائِدَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ طَلْحَةَ حَدَّثَنَا اَنَسٌ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنِّی لَاَنْقَلِبُ اِلٰی اَهْلِی فَاَجِدُ التَّمْرَةَ سَاقِطَةً عَلٰی فِرَاشِی فَاَرْفَعُهَا لِاٰكُلَهَا ثُمَّ اَخْشٰی اَنْ تَكُوْنَ صَدَقَةً فَاُلْقِيهَا.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تو راستہ میں ایک کھجور نظر پڑی تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقہ میں سے ہوگا تو میں اس کو کھالیتا۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گھر آتا ہوں تو اپنے بستر پر کھجور پڑی ہوئی پاتا ہوں تو اس کو اٹھاتا ہوں کہ کھا لوں، پھر ڈرتا ہوں کہ صدقہ کی نہ ہو تو اس کو میں پھینک دیتا ہوں۔

وضاحت:

اس روایت کے دوسرے حصے میں، جو حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے، یہ الفاظ ہیں کہ میں اپنے بستر پر کھجور پڑی ہوئی پاتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقہ کا مال آتا اور غریبوں اور ناداروں میں تقسیم ہوتا رہتا تھا۔ لہٰذا اس طریقہ سے کوئی کھجور پڑی ہوئی نظر آئے تو شبہ کے لیے معقول وجہ تھی کہ وہ صدقہ کی ہوگی۔ شبہ کرنے کے لیے کوئی بنیاد ہونی چاہئے۔ لیکن راستے میں کہیں گری ہوئی کھجور پائیں تو یہ گمان کیوں ہو کہ صدقہ کی ہوگی۔ حضرت انسؓ میں یہ بات ہے کہ کبھی وہ بات کو اس طرح بیان کر دیتے ہیں کہ ابہام رہ جاتا ہے۔ کھجور کہیں ملے، یہ شک کر لینا کہ صدقے کی ہے اس کے لیے کوئی مظنہ نہیں ہے۔ معقول شبہ ہو تو اس پر عمل کرنا چاہیے۔ اتنی احتیاط کرنا، میرے خیال میں تقشف ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے بارے میں فرمایا ہے کہ الدین یسر (دین آسان ہے) اور یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت کو ضائع کیوں ہونے دیا جائے۔ اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور فائدہ اٹھانے کے لیے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ کوئی چیز ناجائز طریقے سے تو نہیں آ رہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تو بہت سہل تھا۔

آپ باہر سے تشریف لائے، پوچھا کھانے کو کچھ ہے؟ جواب ملا کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ ہانڈی میں گوشت پک رہا ہے تو انہوں نے کہا کہ وہ بریرہ کا ہے اور اس کو صدقہ میں ملا ہے۔ آپ نے فرمایا لها صدقة ولنا هديه (صدقہ تو اس کے لیے ہے، ہمارے لیے تو ہدیہ ہے) کیا نورانی علم ہے!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقے کا جو مال آتا تھا آپ اپنے کو اس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔ آپ دنیا کو کھلانے والے تھے، خود صدقہ کیوں کھاتے! لیکن آپ کے عمل سے یہ بات نکال لینا کہ تمام بنی ہاشم کے لیے صدقہ جائز نہیں ہے، غلط ہے۔ یہ لوگوں کی ایجاد ہے۔ صدقہ فقراء کا حق ہے، چاہے وہ بنی ہاشم میں سے ہوں یا دوسرے لوگوں میں سے۔ اصل میں بات یہ تھی کہ یہود کے ہاں تمام اموال زکوٰۃ اور صدقات کے مالک بنی لاوی بن گئے جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات کے غلط استعمال سے امت کو بچانے کے لیے اپنے آپ کو ان سے بالکل الگ کر لیا۔ آپ نے یہ چاہا کہ بنی لاوی کی طرح لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ آپ کے گھر والوں کو ہی دینا ثواب ہے۔ یہ میری رائے ہے۔ صدقہ کے متعلق یہ جو کہا جاتا ہے کہ وہ میل ہے اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے حرام کر لیا، یہ حقیقت میں اللہ کی راہ میں دیئے گئے بہترین مال کی توہین ہے۔ علاوہ ازیں کیا یہ بات نہیں ہے کہ یہ بات کہنے سے کہ یہ میل ہے، غریبوں کی توہین ہو جاتی ہے۔ صدقہ غریبوں کا حق ہے، قرآن نے اس کو حق بھی کہا ہے۔ حق معلوم للسائل والمحروم۔ حق معلوم کا مطلب کیا ہے؟ جس طریقہ سے بیٹے کا حق ہوتا ہے، وہ خیرات تو نہیں ہوتا۔ اسی طریقہ سے آپ کے مال میں، جب آپ کچھ بچا لیتے ہیں، تو فقراء و مساکین کا حق ہے۔ یہ میرا نظریہ ہے اور مدلل ہے۔

۷. باب: كَيْفَ تُعَرَّفُ لُقَطَةُ اَهْلِ مَكَّةَ

اس بارے میں کہ اہل مکہ کے لقطہ کی شناخت کیسے کرائی جائے گی

وَقَالَ طَاوُسٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهَا اِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا. وَقَالَ خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا اِلَّا لِمُعَرِّفٍ. وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يُعْضَدُ عِضَاهُهَا وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا وَلَا تَحِلُّ لُقَطَتُهَا اِلَّا لِمُنْشِدٍ وَلَا يُخْتَلَى خَلَاهَا فَقَالَ عَبَّاسٌ يَارَسُولَ اللّٰهِ اِلَّا الْاِذْخِرَ فَقَالَ اِلَّا الْاِذْخِرَ.

ترجمہ: ابن عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ میں کوئی گری پڑی چیز نہیں اٹھائے گا مگر وہ جو اس کو پہنچوا دے اور عکرمہ ابن عباسؓ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ کا لقطہ پہنچوانے والے کے سوا کوئی نہ اٹھائے۔ عکرمہ ابن عباسؓ سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکہ کی جھاڑیاں نہیں کاٹی جائیں گی اور اس کے شکار کو نہیں بدکایا جائے گا اور اس کا لقطہ کوئی نہیں اٹھائے گا مگر وہ جو اس کا تعارف کرائے اور اس کی گھاس نہیں کاٹی جائے گی۔ اس پر حضرت عباسؓ نے کہا اذخر کی اجازت دے دیجیے یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا الا الاذخر (اذخر مستثنیٰ ہوگا)

وضاحت:

اس روایت میں وہ احکام جمع ہو گئے ہیں جو حرم اور اس کی حدود کے اندر ملحوظ رکھنے ضروری ہیں۔ اس علاقہ کی جھاڑیاں بھی محترم ہیں اور جانور بھی۔ یہ جائز نہیں کہ آپ جھاڑیوں یا درختوں کو کاٹ دیں اور اگر کوئی جانور کسی درخت کے سائے میں یا کسی چٹان کی اوٹ میں پناہ لیے ہوئے ہو تو آپ اس کو بدکا کر لوگوں کے سامنے لے آئیں تاکہ وہ اس کا شکار کر سکیں۔

جب حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ حدود حرم میں گھاس بھی نہیں کاٹی جائے گی تو اس پر حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب بولے کہ یا رسول اللہ اذخر گھاس کو مستثنیٰ قرار دے دیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ گھاس عام ضرورت کی چیز تھی تو حضورؐ نے ان کی اس بات سے اتفاق فرمایا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم بھی دیا کہ حرم کی حدود میں کوئی گری پڑی چیز نظر آئے تو اس کو نہ اٹھایا جائے۔ صرف اسی شخص کو اٹھانے کی اجازت ہے جو اس کا اعلان کرنے والا اور تعارف کرانے والا ہو۔ اس میں بدرجہ اولیٰ وہ لوگ مراد ہوں گے جو اس اعلان پر مامور کیے گئے ہوں۔ اس سے وہ اجازت از خود ختم ہوگئی جو عام لقطہ کے بارے میں ہے کہ سال بھر تک اعلان کرنے کے بعد لقطہ پانے والا حقدار ہوگا کہ اس چیز سے خود فائدہ اٹھالے۔ اگر یہ مفہوم نہ لیا جائے تو پھر اس کلام کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

مسئلہ یہ نکلا کہ مکہ کا لقطہ کسی حالت میں آپ کے لیے جائز نہیں ہوگا۔ اس کا تعارف کرادیجیے اور پھر بھی مالک نہیں ملا تو حرم کے بیت المال میں داخل کرادیجیے۔ آپ اس سے خود فائدہ نہیں اٹھاسکتے۔

اس معاملہ میں فقہا کی رائے مختلف ہے۔ مالکیہ اور احناف کا مسلک یہ ہے کہ عام لقطہ کے جو احکام ہیں وہی حرم کے لقطہ کے بھی ہیں۔ شوافع یہ کہتے ہیں کہ جو اٹھائے اس پر ذمہ داری ہے کہ وہ مالک تک پہنچائے اور اگر کوئی طالب نہیں آئے گا تو اٹھانے والا اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ میرے نزدیک اس صورت میں لقطہ کو حرم کے بیت المال میں جمع کرادیا جائے گا۔ امام بخاریؒ اگرچہ اس کے مخالف ہیں مگر ان کی رائے میرے نزدیک غلط سمجھی گئی ہے۔ ان کا مطلب یہ نہیں کہ بیت المال میں نہیں جاسکتا بلکہ یہ ہوگا کہ ضروری نہیں کہ بیت المال ہی میں جائے۔ پھر حکومت مدعی بن جائے گی کہ تم نے داخل کیوں نہ کیا۔

۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسىٰ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ كَثِيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اَبُوسَلَمَةَ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنِي اَبُوهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهِ ﷺ مَكَّةَ قَامَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْفِيْلَ وَسَلَّطَ عَلَيْهَا رَسُوْلَهُ وَالْمُوْمِنِيْنَ فَاِنَّهَا لَاتَحِلُّ لِاَحَدٍ كَانَ قَبْلِي وَاِنَّهَا اُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ وَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِاَحَدٍ بَعْدِي، فَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا، وَلَا يُخْتَلٰى شَوْكُهَا وَلَاتَحِلُّ سَاقِطَتُهَا اِلَّا لِمُنْشِدٍ وَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيْلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ اِمَّا اَنْ يُفْدٰى وَاِمَّا اَنْ يُقِيْدَ، فَقَالَ الْعَبَّاسُ اِلَّا الْاِذْخِرَ فَاِنَّا نَجْعَلُهُ لِقُبُوْرِنَا وَبُيُوْتِنَا فَقَالَ رَسُوْلُ

اللّٰهِ ﷺ اِلَّا الْاِذْخِرَ، فَقَامَ اَبُوشَاهٍ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ اكْتُبُوا لِي يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اكْتُبُوا لِاَبِي شَاهٍ، قُلْتُ لِلْاَوْزَاعِيِّ مَاقَوْلُهُ اكْتُبُوا لِي يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ هٰذِهِ الْخُطْبَةَ الَّتِي سَمِعَهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مکہ فتح کرادیا تو آپ خطبہ دینے کے لیے اٹھے۔ اللہ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا کہ اللہ نے مکہ سے اہل فیل کو روک دیا اور اس پر اپنے رسول کو اور مومنین کو مسلط کر دیا۔ یاد رکھو کہ یہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے جائز نہیں ہوا اور میرے لیے بھی یہ صرف دن کی ایک ساعت کے لیے جائز ہوا، اور میرے بعد کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہوگا۔ یاد رکھو کہ نہ اس کے شکار کو چھیڑا جائے اور نہ اس کی جھاڑیاں کاٹی جائیں اور یہاں کی گری پڑی چیز صرف اس کے لیے جائز ہے جو اس کا اعلان کرنے کے لیے اٹھاتا ہے اور جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے تو اس کے لیے دو شکلوں میں سے ایک شکل ہے، یا تو فدیہ لے لے یا قصاص۔ حضرت عباسؓ نے کہا یا رسول اللہ اذخر گھاس کو مستثنیٰ ہونا چاہیے اس لیے کہ ہم اس کو قبروں میں اور گھروں میں بچھاتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا الا الاذخر۔ پھر اہل یمن میں سے ایک شخص ابوشاہ کھڑا ہوا اور کہا یا رسول اللہ یہ مجھ کو لکھوادیجیے۔ آپ نے فرمایا ابوشاہ کے لیے لکھ دو۔ میں نے امام اوزاعی سے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے کہ میرے لیے لکھوادیجیے۔ انہوں نے کہا۔ یعنی یہ خطبہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔

وضاحت:

اس خطبہ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے فوری بعد نہیں دیا گیا تھا بلکہ قتل کا ایک واقعہ ہوا تھا۔ تو اس کے بعد دیا گیا تھا۔ لیکن اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا، ایک ہی سلسلہ کی بات ہے۔ دوسرے یہ کہ لفظ فیل ہے یا قتل ہے تو ہمارے نزدیک یہ ہے کہ واضح طور پر اصحاب فیل کو مکہ سے روک دیا تھا، لہٰذا وہی لفظ مراد ہے۔

لاتحل کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تلوار اٹھانا جائز نہیں ہے۔ حرم دارالامن ہے۔ یہ کسی کے لیے نہ پہلے جائز تھا اور نہ بعد میں ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی صرف کچھ وقت کے لیے جائز ہوا تھا۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شکل ویسی ہی پیدا ہو جائے کہ ہر وقت خطرہ ہے تب کیا ہوگا۔ تو حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حملہ آور کے لیے جائز نہیں رہا البتہ ہمارے اور آپ کے لیے اس کا دفاع جائز ہوگا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دفاعی طور پر کوئی کاروائی کرنے میں حرم رکاوٹ نہیں ہے البتہ کوئی اقدام اس کی حرمت کے منافی نہ ہو۔ حرم کے احترام کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اس میں شکار کو مامون ہونا چاہیے۔ آپ اس کو چھیڑ نہیں سکتے اور اس کی جھاڑیاں اور اس کے کانٹے بھی نہیں کاٹے جائیں گے۔ اور اس کی گری پڑی چیز اٹھانا جائز نہیں ہے مگر اس کے لیے جو اس کے آگاہ کرنے کی ذمہ داری لے۔ اس کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔ گری پڑی چیز اٹھانا جائز نہیں الالمنشد (صرف اس کے لیے جائز ہے جو خبر کردے) تو اس حصر کا فائدہ کیا ہے؟ اس میں نفی کس بات کی ہو گی۔ اس بات کی کہ اس شخص کے لیے لقطہ کو اٹھانا کسی شکل میں جائز نہیں کہ اگر اس کا طالب نہیں ملا تو وہ اس کو برت لے، تب حصر کا فائدہ ہوگا۔ ورنہ گری پڑی چیز وہیں پڑی رہنے دی جائے گی۔ مالکیہ اور احناف کا مذہب میرے نزدیک کمزور ہے۔ شوافع اس کا کوئی حل نہیں بتاتے۔ میری رائے یہ ہے کہ اول تو کوئی اٹھائے نہیں اور اگر اٹھا لیتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ جب منادی کر کے تھک جائے تو حرم کی انتظامیہ کے حوالے کر دے۔ آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یاد رکھو جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے تو دو معاملوں میں سے ایک کا اختیار اس کو ہے۔ چاہے تو فدیہ لے یا چاہے تو قصاص۔ جہاں تک فدیہ کا تعلق ہے میری رائے یہ ہے کہ یہ مقتول کے ورثا کی مرضی پر ہے۔ جن کی رائے یہ ہے کہ فدیہ کے لیے مجبور کیا جا سکتا ہے، تو یہ غلط ہے۔ اُس زمانے میں فدیہ سو اونٹ تھے۔ اس زمانے میں سو اونٹ رکھا گیا تو فشار ہو جائے گا۔ اس زمانے میں ایک زحمت یہ بھی ہے کہ عاقلہ موجود نہیں ہے۔ عرب میں عاقلہ کا وجود تھا۔ آدمی کے درجہ بدرجہ قریبی اعزہ کو عاقلہ کہتے ہیں۔ دیت جتنی ہوتی تھی عاقلہ پر پڑتی تھی اور اس طریقہ سے اس مسئلہ کا حل بھی تھا اور یوں بھی عاقلہ ہر وقت بیدار رہتی تھی کہ ہمارا کوئی شریر آدمی کوئی حرکت نہ کر بیٹھے۔ اب عاقلہ آپ پیدا نہیں کر سکتے، کون یہ کھکھیڑ مول لے گا۔ دیت کے معاملہ میں اس دور میں یہ ایک قابل غور مسئلہ ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

درس مؤطا امام مالکؒ

کتاب النذور والایمان

اس کتاب میں نذروں اور قسموں کا بیان ہوگا۔ نذر یہ ہے کہ آپ نیکی سمجھ کر کسی کام کو کرنے یا کسی چیز کو چھوڑنے یا کسی چیز کو اختیار کرنے کا ارادہ کرلیں۔ نذر اسلام میں کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص کوئی نذر مان بیٹھے اور اس میں اللہ کی کوئی معصیت نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی کسی بات کی کوئی خلاف ورزی نہ ہو تو اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔ قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جب تک کہ شریعت کی تفصیلات لوگوں کے علم میں نہیں آئی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے مسائل برت کے بتا نہیں دیے تھے لوگ دور جاہلیت میں نذر ہی کے راستہ سے اپنا نیکی کا شوق پورا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت تک نیکی کے طریقے واضح نہیں تھے۔ لیکن اسلام کے آجانے کے بعد یہ سوال باقی نہیں رہا، اب چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی نیکی کا طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ معلوم ہو گیا۔ قرآن مجید میں جو آیا ہے یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا یہ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی تعریف ہے جو ابتداء کے لوگ ہیں۔ نذر میں اگر معصیت کا پہلو نہ ہو تو اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اس کا فلسفہ یہ ہے کہ دین کی تمام بنیاد عہد و پیماں پر ہے اس لیے عہد و پیماں کے معاملہ میں آدمی کو پھسپھسا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کوئی عہد کرے تو اس کے پورا کرے ورنہ دوسری چیزوں میں بھی آدمی ڈھیلا ہو جائے گا۔

قسم بھی نذر ہی کی بہن ہے۔ نذر میں تو یہ ہے کہ آپ قسم کھائیں یا نہ کھائیں منت مان لی کہ فلاں موقع پر میں روزہ رکھوں گا لیکن قسم یہ ہے کہ آپ قسم کھا بیٹھیں کہ اللہ کی قسم میں یہ کام کروں گا اور اگر نہ کروں تو مجھ کو یہ بات ہو جائے وغیرہ۔ تو نذر اور قسم کے متعلق مباحث اس کتاب میں بیان ہوئے ہیں۔

باب: مَا یَجِبُ مِنَ النُّذُورِ فِی المَشْيِ:

پیدل چلنے کی نذروں کے بارے میں کیا واجب ہے۔

1. حدثنی یحیٰ عَنْ مَالِکٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَیْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَہ اسْتَفْتَی رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فقال: اِنَّ اُمِّی مَاتَتْ وَعَلَیْهَا نَذْرٌ" وَلَمْ تَقْضِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اقْضِهِ عَنْهَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ سعد بن عبادۃ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے اور ان کے اوپر ایک نذر واجب تھی جس کو وہ پورا نہ کر سکیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ان کی طرف سے تم پوری کردو۔

وضاحت:

روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ نذر کیا تھی لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے پورا کرنے کو کہا ہے تو کوئی معقول بات ہی ہوگی، نیکی کا کوئی کام ہوگا۔ میں نے یہ دیکھا ہے کہ نذر اکثر بڑھیا ہی مانتی ہیں، ان پر نیکی کا غلبہ ہوتا ہے۔

اس معاملہ میں بعض فقہا کا مذہب یہ ہے کہ کوئی دوسرا کسی کا اس طریقہ کا کام پورا کر کے اس کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ یہ بات تو بجائے خود اپنی جگہ پر بہت معقول ہے کہ کسی کی نماز کوئی دوسرا نہیں پڑھ سکتا، روزہ کوئی دوسرا نہیں رکھ سکتا۔ لیکن ایک بات قرین عقل ہے کہ اولاد کا معاملہ ذرا الگ ہے۔ مثلاً بیٹا ہے اور وہ جانتا ہے کہ والد کی آرزو تھی کہ حج کریں لیکن کر نہ سکے تو وہ بیٹا اگر باپ کی طرف سے کرے گا تو میرے نزدیک حج ادا ہو جائے گا اور یہ حدیث سے بھی ثابت ہے۔ ہاں اس شکل میں تو نہیں قبول ہونا چاہئے کہ وہ صاحب استطاعت رہا ہو اور اس کے باوجود حج نہ کیا ہو جب کہ اور کوئی عذر بھی نہ تھا۔ لیکن بہت سی شکلیں اور بھی ہوسکتیں ہیں کہ اولاد میں سے کوئی کرے تو اللہ تعالیٰ ان کا حج قبول فرمالیں گے۔

اس روایت میں یہ چیزیں ماننی پڑیں گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں تھا کہ نذر کیا ہے اور معاملہ تو ان کے بیٹے کا ہے تو اس طریقہ سے اس کی نوعیت اور ہو جاتی ہے کوئی دوسرا کرے تو نہیں ہوتی تو جو لوگ مخالف ہیں میرے نزدیک ان کا مذہب اس پہلو سے صحیح ہے لیکن اولاد کے معاملہ میں مستثنیٰ ہے۔

2. حدثنی عَنْ مَالِکٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ أَبِی بَکْرٍ عَنْ عَمَّتِهِ اَنَّهَا حَدَّثَتْهُ عَنْ جَدَّتِهِ اَنَّهَا کَانَتْ جَعَلَتْ عَلی نَفْسِهَا مَشْیاً اِلَی مَسْجِدِ قُبَاءٍ فَمَاتَتْ وَلَمْ تَقْضِهِ فَأَفْتَی عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ ابْنَتَهَا أَنْ تَمْشِیَ عَنْهَا. قَالَ یَحیٰی وَسَمِعْتُ مَالِکاً یَقُولُ: لَایَمْشِی أَحَدٌ" عَنْ أَحَدٍ.

ترجمہ: عبداللہ بن ابی بکر اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں کہ اس کو انہوں نے بیان کیا اپنی دادی سے کہ انہوں نے اپنے اوپر واجب کیا تھا کہ مسجد قباء تک پیدل جائیں گی تو ان کی وفات ہوگئی اور وہ پوری نہ کر سکیں۔ تو عبداللہ بن عباس نے ان کی بیٹی کو یہ فتویٰ دیا کہ تم ان کی نذر پوری کرو۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے مالک کو یہ کہتے سنا کہ کوئی دوسرے کی طرف سے پیدل نہ چلے۔

وضاحت:

مسجدیں صرف تین ہیں جن کے لیے نیکی کے مقصد کے لحاظ سے آپ کو شدِ رحال کی اجازت ہے۔ مسجد اقصیٰ، مسجد نبوی اور حرم۔ یہ وہ مسجدیں ہیں جو از روئے قرآن اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین پر بنی ہیں اور حرم تو تمام مسجدوں کی ماں ہے۔ کوئی مسجد حرم کی طرف رخ کے بغیر مسجد نہیں بن سکتی۔۔ ان مسجدوں کی بات اور ہے لیکن کسی اور مسجد کی طرف نذر کے لیے آپ نہیں جاسکتے۔

یہ عبداللہ بن عباس کا ایک فتویٰ ہے اس سے زیادہ اس کی اہمیت نہیں ہے۔ وہ ایک جلیل القدر آدمی ہیں قرآن کے عالم ہیں لیکن میں کم سے کم اتنا کہوں گا کہ ان کا یہ فتویٰ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ زیادہ سے زیادہ اس کے حق میں ایک بات جاتی ہے وہ یہ کہ اگر کوئی عہد کر بیٹھے تو اس کو پورا کرنا چاہئے تاکہ اس کی یادگار باقی رہے۔

لیکن اس لیے ضروری ہے کہ وہ کسی واضح دینی مسئلہ کے متعلق ہو۔ فرض کر لیجیے کہ ان کی یہ نیت ہوتی کہ حرم جائیں گی تو یہ بات الگ تھی۔ اس شکل میں بھی ایک اعتراض ہوتا ہے وہ یہ کہ یہ ممانعت ہے کہ کوئی شخص اپنے اوپر ایسی مُنت ڈالے کہ جو مافوق مشقت ہو۔

امام مالک کہتے ہیں کہ لایمشی احد عن احد تو چلیے انہوں نے تو جڑ ہی کاٹ دی۔ مالکیہ نے یہ بات کہی ہو گی تو مسجد ہی کی وجہ سے کہی ہو گی۔

3. وَحدّثنی عَنْ مَالِکٍ عَنْ عَبدِاللّٰهِ بْنِ أَبی حَبِیبَةَ قَالَ قُلتُ لِرَجُلٍ وَأنَا حَدِیثُ السِّنِّ مَا عَلَی الرَّجُلِ أَنْ یَقُولَ عَلَیَّ مَشْیٌ اِلَی بَیْتِ اللّٰهِ، وَلَمْ یَقُلْ عَلَیَّ نَذرُ مَشْیٍ، فَقَالَ لِی رَجُل'' هَلْ لَکَ أَنْ أُعْطِیَکَ هٰذَا الْجِرْوَ جِرْوَقِثَّاءٍ فِی یَدِهِ وَتَقُولُ عَلَیَّ مَشْیٌ اِلَی بَیْتِ اللّٰهِ؟ قَالَ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقُلْتُهُ وَأنَا یَوْمَئِذٍ حَدِیثُ السِّنِّ، ثُمَّ مَکَثْتُ حَتّٰی عَقَلْتُ، فَقِیلَ لِی اِنَّ عَلَیْکَ مَشْیاً فَجِئْتُ سَعِیْدَ بْنَ الْمُسَیَّبِ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِکَ، فَقَالَ لِی عَلَیْکَ مَشْیٌ'' فَمَشَیْتُ. قَالَ مَالِک'': وَهٰذَا الاَمْرُ عِنْدَنَا.

ترجمہ: عبداللہ بن ابی حبیبہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے کہا، اور میں اس وقت نوخیز تھا۔ اس شخص پر کیا ذمہ داری آتی ہے اگر وہ کہہ بیٹھے کہ میرے ذمہ ہے بیت اللہ کی طرف جانا پیدل، اور یہ نہ کہے کہ میرے اوپر وہاں پیدل جانے کی نذر ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اگر میں تم کو یہ ککڑی دوں، اور اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ککڑی تھی، اور تم یہ کہو کہ میں اپنے اوپر بیت اللہ کی طرف پیدل چلنے کو واجب کرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ ہاں اور میں نے اس وقت کہا تھا جب نوخیز تھا، پھر کچھ عرصہ کے بعد میں سمجھدار ہو گیا۔ تو مجھ سے کہا گیا کہ اب تم پر واجب ہے کہ تم پیدل چلو تو میں سعید بن المسیب کے پاس گیا اور ان سے اس بارے میں فتویٰ پوچھا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم پر پیدل جانا واجب ہے تو میں پیدل گیا۔ مالک کہتے ہیں کہ یہی فتویٰ ہمارا ہے۔

وضاحت:

یہ واقعہ ہے کہ اس روایت کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ اس میں ایک بڑے آدمی، سعید بن المسیب کا نام آ گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اول تو ایک ایسے آدمی کا معاملہ ہے جو کہتا ہے کہ میں نوخیز تھا دوسرے یہ کہ ککڑی کے لالچ میں کہہ بیٹھے تھے تو اس کی وجہ سے ایک ایسا حکم کیسے واجب ہو سکتا ہے جو خواہ مخواہ کو غیر ضروری ہے۔ اس میں وہ فلسفہ بھی موجود نہیں ہے جو عہد کی پابندی کا ہے اس لیے کہ یہ ایک غیر سنجیدہ سی بات ہے۔ نذر میں تو یہ ہونا چاہیے کہ آدمی نے سوچ سمجھ کر نیکی کے ارادہ سے اللہ کی فرمانبرداری کی نوعیت کی کوئی بات کی ہو تو اس لیے اس کو پورا کیا جانا چاہیے تا کہ آدمی میں عہد کی پابندی اور اللہ سے وعدہ کا اعتراف باقی رہے۔

باب: مَاجَاءَ فِی مَنْ نَذَرَ مَشْیاً اِلَی بَیْتِ اللّٰهِ فَعَجَزَ

اس شخص کے بارے میں جس نے بیت اللہ تک پیدل جانے کی نذر مانی مگر وہ چلنے سے معذور ہو گیا۔

4. حدّثنی یَحْیٰی عَنْ مَالِکٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ أُذَیْنَةَ اللَّیْثِیِّ أَنَّهُ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ جَدَّةٍ لِی عَلَیْهَا مَشْیٌ'' اِلَی بَیْتِ اللّٰهِ حَتّٰی اِذَا کُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِیقِ عَجَزَتْ فَأَرْسَلَتْ مَوْلًی لَهَا یَسْأَلُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرؓ فَخَرَجْتُ مَعَهُ فَسَأَلَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرؓ فَقَالَ لَهُ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرؓ مُرْهَا فَلْتَرْکَبْ ثُمَّ لْتَمْشِ مِنْ حَیْثُ عَجَزَتْ. قَالَ یَحْیٰی وَسَمِعْتُ مَالِکاً یَقُولُ: وَأَرٰی عَلَیْهَا مَعَ ذٰلِکَ الْهَدْیَ.

ترجمہ: عروۃ بن اذینہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں اپنی دادی کے ساتھ نکلا اور ان کے ذمہ بیت اللہ کے پیدل سفر کی منت تھی۔ جب ہم کچھ راستہ طے کر چکے تو وہ چلنے سے معذور ہو گئیں تو انہوں نے اپنے آزاد کردہ غلام کو عبداللہ بن عمرؓ کے پاس فتویٰ پوچھنے کے لیے بھیجا، کہتے ہیں کہ میں بھی اس کے ساتھ گیا تو اس نے عبداللہ ابن

عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ان کو حکم دو کہ سوار ہو جائیں پھر جہاں سے وہ نہیں چل پائیں تھیں وہاں سے وہ پیدل چلیں۔ یحیٰی کہتے ہیں کہ میں نے مالک سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس پر اس کے ساتھ ھدی بھی ہے۔

وضاحت:

یہاں معذوری تو بڑھاپے کی وجہ سے ہے اور مشقت مافوق ہے تو دوبارہ وہاں سے کیوں چلیں؟ یہ فتویٰ کسی طریقہ سے سمجھ میں نہیں آتا۔ شوافع اور حنفیہ اس معاملہ میں کہتے ہیں کہ دوبارہ تو نہیں کریں گی بلکہ ایک بکری قربانی کرلیں یعنی اونٹ یا گائے نہیں بلکہ بکری۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ کچھ بھی نہیں اس لیے کہ مافوق مشقت انہوں نے اپنے سر لی تھی۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ یہ تیسرا مذہب صحیح ہے۔ البتہ بکری وہ قربان کردیں صرف اس خیال سے کہ ایک عہد کرلیا تھا تو اس کا احترام ہونا چاہئے۔

5. وَحدَّثنِی عَنْ مَالِکٍ اَنَّهُ بَلَغَهُ أَنْ سَعِيْدَ بْنَ اَلْمُسَيَّبِ وَاَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ كَانَا يَقُولاَنِ مِثْلَ قَوْلِ عَبْدِاللّٰهِ بْنَ عُمَرؓ.

ترجمہ: (امام) مالک کہتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ سعید بن المسیب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن دونوں عبداللہ بن عمرؓ کے فتویٰ کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

وضاحت:

اس معاملہ میں مجھے اعتراض تو شوافع اور احناف کے مذہب پر بھی ہے۔ ایک چیز کا ارادہ وہ کر بیٹھیں جو بہرحال گناہ کی بات نہیں ہے تو اب یہ ہے کہ عہد کی لاج رکھنی چاہیے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

6. وَحدَّثنی عَنْ مَالِکٍ عَنْ يَحْيٰى بْنَ سَعِيْدٍ اَنَّهُ: كَانَ عَلَيَّ مَشْىٌ" فَأَصَابَتْنِي خاصِرَةٌ" فَرَكِبْتُ حَتّٰى أَتَيْتُ مَكَّةَ فَسَأَلْتُ عَطَاءَ بْنَ أَبِى رَبَاحٍ وَغَيْرَهُ فَقَالُوا عَلَيْکَ هَدْىٌ، فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ سَأَلْتُ عُلَمَاءَ هَا فَأَمَرُونِى اَنْ أَمْشِىَ مَرَّةً أُخْرٰى مِنْ حَيْثُ عَجَزْتُ فَمَشَيْتُ .قَالَ يَحْيٰى وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ اْلاَمْرُ عِنْدَنَا فِيمَنْ يَقُولُ عَلَيَّ مَشْىٌ" اِلَى بَيْتِ اللّٰهِ اَنَّهُ اِذَا عَجَزَ رَكِبَ ثُمَّ عَادَ فَمَشٰى مِنْ حَيْثُ عَجَزَ

فَاِنْ كَانَ لاَيَسْتَطِيْعُ الْمَشْىَ فَلْيَمْشِ مَاقَدَرَ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيَرْكَبْ، وَعَلَيْهِ هَدْىُ بَدَنَةٍ، أَوْبَقَرَةٍ، أَوْشَاةٍ اِنْ لَمْ يَجِدْ اِلَّاهِىَ.

ترجمہ: یحیٰی بن سعید سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے ذمہ مکہ کی طرف پیدل چلنا واجب کیا تھا، میری کمر میں درد ہوگیا تو میں سوار ہوگیا یہاں تک کہ مکہ آگیا تو میں نے عطاء بن ابی رباح وغیرہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آپ کے ذمہ ھدی ہے۔ اور جب مدینہ آیا اور یہاں کے علماء سے فتویٰ پوچھا تو انہوں نے مجھے حکم دیا کہ وہاں سے دوبارہ پیدل چلوں جہاں سے عاجز ہوگیا تھا۔ تو میں پیدل چلا۔ یحیٰی کہتے ہیں کہ میں نے مالک سے سنا، وہ کہتے تھے کہ ہمارے نزدیک فتویٰ اس شخص کے بارے میں جو نذر مانے کہ میں بیت اللہ تک پیدل چلوں گا اور پھر عاجز ہوگیا یہ ہے کہ سوار ہولے پھر لوٹے اور وہاں سے چلے جہاں سے عاجز ہوگیا تھا۔ اور وہ پیدل نہیں چل سکتا تو چاہئے کہ جتنے قدم چل سکتا ہے پیدل چلے پھر سوار ہوجائے اور اس کے ذمہ قربانی ہے ایک اونٹ کی یا گائے کی یا بکری کی، اگر بکری ہی ملے تب۔

وضاحت:

عطاء ابن رباح مکہ کے بڑے فقیہ ہیں اور انہوں نے فتویٰ دیا کہ آپ کے ذمہ ھدی ہے۔ یہ بات معقول ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں اور میرا خیال ہے کہ شوافع اور احناف کا فتویٰ اسی پر ہوگا۔ مدینہ کے علماء نے فتویٰ دیا کہ وہاں سے پیدل چلیں جہاں سے کہ وہ عاجز ہوگئے تھے۔ میری رائے یہی ہے کہ اگر آپ احتیاطاً کچھ کردیں تو کردیں، واجب کچھ بھی نہیں ہے۔ آدمی جب تک ساری فقہوں کو سامنے نہ رکھے ایک فقہ کی تابعداری کرکے یہ ممکن نہیں کہ صحیح بات اخذ کی جاسکے۔

یحیٰی کہتے ہیں کہ مالک سے سنا وہ کہتے تھے کہ جہاں سے وہ چلنے سے عاجز ہوگیا تھا سوار ہوکر وہاں لوٹے اور پیدل چلے اور اگر پیدل نہیں چل سکتا تو جتنے قدم چل سکتا ہے چلے اور پھر سوار ہوجائے اور اس کے ذمہ قربانی ہے۔ ایک اونٹ کی یا ایک گائے کی یا ایک بکری کی، اگر بکری ہی ملے تب۔ معلوم ہوا کہ امام مالک ایک بکری پر قانع نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک ایک اونٹ ملے تب بہتر ہے ورنہ گائے لیکن اگر بکری ہی ملتی ہے تو خیر ہے۔

7. وَسُئِلَ مَالِکٌ" عَنِ الرَّجُلِ يَقُولُ لِلرَّجُلِ أَنَا أَحْمِلُکَ اِلٰى

بَیْتِ اللّٰہِ، فَقَالَ مَالِکٌ: اِنْ نَوٰی اَنْ یَحْمِلَهٗ عَلٰی رَقَبَتِهٖ یُرِیْدُ بِذٰلِکَ الْمَشَقَّةَ، وَتَعَبَ نَفْسِهٖ فَلَیْسَ ذٰلِکَ عَلَیْهِ وَلْیَمْشِ عَلٰی رِجْلَیْهِ وَلْیُهْدِ وَاِنْ لَمْ یَکُنْ نَوٰی شَیْئًا فَلْیَحْجُجْ وَلْیَرْکَبْ وَلْیَحْجُجْ بِذٰلِکَ الرَّجُلِ مَعَهٗ وَذٰلِکَ اَنَّهٗ قَالَ اَنَا اَحْمِلُکَ اِلٰی بَیْتِ اللّٰہِ، فَاِنْ اَبٰی اَنْ یَحُجَّ مَعَهٗ فَلَیْسَ عَلَیْهِ شَیْءٌ وَقَدْقَضٰی مَا عَلَیْهِ۔

ترجمہ: امام مالک سے فتویٰ پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے کہے کہ میں آپ کو بیت اللہ تک لے جاؤں گا تو مالک نے کہا کہ اگر اس کی نیت یہ ہے کہ وہ اپنے کندھے پر اٹھا کر لے جائے گا اور اس سے مقصود اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا ہے تو یہ اس کے اوپر واجب نہیں ہے۔ اور اس کو چاہیے کہ وہ پیدل جائے اور وہاں قربانی پیش کرے۔ اور اگر کوئی نیت نہیں تھی تو اس کو چاہیے کہ سوار ہو کر جائے اور حج کرے اور اس کے ساتھ وہ آدمی بھی حج کرے یہ اس لیے کہ اس نے کہا تھا کہ انا احملک الی بیت اللہ اور اگر وہ آدمی اس کے ساتھ حج کرنے سے انکار کر دے تو اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

وضاحت:

اگر اس شخص نے کہا تھا کہ انا احملک الی بیت اللہ تو اس کا ظاہر تقاضا یہی ہے کہ سوار ہو کر جائے اور اس آدمی کو بھی ساتھ سواری پر بٹھالے جس سے کہا کہ انا احملک. اگر وہ آدمی اس شخص کے ساتھ سوار نہیں ہوتا تو پھر اس شخص کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

اس سے ایک بات تو معلوم ہوئی کہ کبھی کوئی بات اگر کہہ بیٹھے تو قول مرداں جاں دارد، اگر وہ جواز کے اندر ہے تو کرنا چاہیے۔ کردار یہی ہے۔ میں اصولاً اس بات کو مانتا ہوں۔

باقی جو عبارت قال یحییٰ سئل مالک عن الرجل سے لے کر آخر تک ہے وہ کچھ الجھ گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ صحیح نقل نہیں ہوئی ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں

ایک شخص کے گھر کی زندگی اس کے سیرت و کردار کا حقیقی آئینہ ہوتی ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی باہر کی زندگی میں ظاہر داری کی چادر اوڑھ کر نکلتا ہو اور جو کچھ وہ ہے اس سے بالکل مختلف شکل و صورت میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہو لیکن گھر کی زندگی میں وہ اپنے اوپر اس قسم کا پردہ ڈالے رکھنے میں زیادہ دنوں تک کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اوّل تو کوئی شخص اس قسم کی کوشش کرتا ہی نہیں اور اگر وہ کرے تو اس میں بھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس وجہ سے کسی شخص کو جانچنے کے لیے بہترین کسوٹی اس کے گھر کی زندگی ہے۔ وہاں اس کو دیکھنا چاہیے کہ اس کی سیرت کیا ہے؟ جس خداترسی اور تقویٰ کا درس وہ باہر دے رہا ہے اس پر وہ اپنے گھر کے اندر کتنا عامل ہے؟ جس اتباع کتاب و سنت کا وعظ وہ دوسروں کو سنا رہا ہے اس پر وہ خود کس قدر عمل کرتا ہے؟ اور اپنے بیوی بچوں سے کس قدر اس پر عمل کراتا ہے؟ جس دین کی اقامت کے لیے وہ خدائی فوجدار بنا ہوا سارے جہاں سے لڑ رہا ہے، اس دین کو وہ اپنے گھر کے اندر کس حد تک قائم کرنے میں کامیاب ہوسکا ہے؟ جس سادگی، جس ایثار، جس قناعت، جس صبر اور اخلاص و دیانت کا وہ دوسروں سے مطالبہ کر رہا ہے اس کا جمال خود اس کی گھریلو زندگی میں کتنا جھلک رہا ہے؟ اگر فی الواقع کوئی شخص اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے تو بلاشبہ یہ ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر پورے اترنے والے کی اخلاقی عظمت کا اور اس کی سچائی کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ایک ایسے شخص کے اصولوں اور نظریات سے تو آپ اختلاف کر سکتے ہیں لیکن آپ اس کو محض ایک مصنوعی یا ایک بے کردار آدمی قرار نہیں دے سکتے۔

آیئے اس کسوٹی پر ہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو جانچیں اور یہ دیکھیں کہ آپ ﷺ کی باہر کی دعوت اور گھر کی زندگی میں کس حد تک مطابقت ہے۔ خوش قسمتی سے صرف آپ ہی کی زندگی ایک ایسی زندگی ہے جس کا ہر حصہ دنیا کے سامنے ہے ہم نہایت مستند معلومات کی بنا پر جس طرح یہ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ مسجد نبوی کے اندر صحابہؓ کی موجودگی میں کیا کچھ فرماتے تھے اور کیا کچھ کرتے تھے، اسی طرح ہم نہایت

مستند معلومات کی روشنی میں یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ ﷺ بیوی بچوں کے اندر کس طرح رہتے سہتے تھے۔

آپ ﷺ نے اپنی زندگی پرائیویٹ اور پبلک کے دو حصوں میں تقسیم نہیں کی تھی بلکہ آپ کی زندگی کا ہر حصہ پبلک کے لیے کھلا ہوا تھا کہ لوگ اس کو دیکھیں اور اس سے رہنمائی حاصل کریں۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے یہ مطالبہ کبھی نہیں کیا کہ لوگ صرف آپ کی پبلک زندگی ہی کو دیکھیں، آپ کی نجی زندگی کا تجسس نہ کریں بلکہ آپ ﷺ نے اپنی پبلک اور اپنی نجی دونوں زندگیاں ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح نہ صرف اپنے دوستوں کے سامنے بلکہ اپنے دشمنوں کے سامنے بھی رکھ دیں کہ لوگ چاہیں تو اس کو اسوۂ حسنہ بنائیں اور چاہیں تو بے خوف وخطر ان پر حرف گیری کریں، اگر حرف گیری کی گنجائش پائیں۔

دنیا میں دوسروں کی بیویاں ان کی گھریلو زندگی کے رازوں کی امین ہوتی ہیں۔ لیکن صرف حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ پبلک کے نمائندہ کی حیثیت سے آپ کی گھریلو زندگی کی ایک ایک ادا کو محفوظ رکھتی تھیں اور پوری دیانت وامانت کے ساتھ اس کو پبلک تک پہنچاتی تھیں۔ ایک ایسی زندگی جس کی جلوت وخلوت سب کچھ ہمارے سامنے ہے، بہترین چیز اس مقصد کے لیے ہو سکتی ہے کہ ہم اس میں یہ دیکھ سکیں کہ اس کے دونوں پہلوؤں میں کس حد تک مطابقت پائی جاتی ہے۔

اسی مقصد کو سامنے رکھ کر میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں اور میری کوشش یہ ہوگی کہ میں جس پہلو کو بھی نمایاں کروں اس کے لیے مواد استدلال اصلاً قرآن مجید سے اخذ کروں تا کہ آپ کی سیرت طیبہ کا مستند ترین حصہ جو قرآن میں بیان ہوا ہے۔ اس کا ایک پہلو آپ کے سامنے آئے اور اگر کہیں مزید وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی تو حدیث اور سیرت کے بیان کردہ واقعات سے بھی مدد لوں گا۔

اہل بیت کا مشغلہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کا جو پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اہل بیت کا رات دن کا مشغلہ بھی وہی تھا جو خود حضور ﷺ کا رات دن کا مشغلہ تھا۔ یہ صورت نہیں تھی کہ آپ خود تو لوگوں کو بندگی رب اور اطاعت الٰہی کا وعظ سناتے رہیں اور آپ کے اہل بیت دنیا کی دلچسپیوں اور مادی زندگی کی لذتوں میں منہمک ہوں یا آپ ﷺ باہر تو لوگوں کو زہد وقناعت کی تعلیم اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے جہاد کی تلقین فرماتے ہوں اور گھر میں آ کر اس تلقین کو بھول کر دلچسپیوں اور راحتوں میں کھو جاتے ہوں۔ بلکہ آپ کا جو مشن باہر ہوتا تھا آپ ﷺ اسی مشن کو لے کر گھر میں داخل ہوتے تھے اور جس مبارک شغل میں خود اپنا وقت صرف فرماتے تھے اسی مبارک شغل میں آپ کے گھر والے بھی اپنا وقت بسر کرتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک مشن سورۂ جمعہ میں یہ بیان ہوا ہے:۔

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيِّنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعہ ۶۲:۲)

وہی ہے اللہ جس نے بھیجا امیوں میں سے ایک رسول انہی میں سے جو ان کو سناتا ہے اللہ کی آیتیں اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو سکھاتا ہے کتاب اور حکمت۔

بعینہ اس مشن کی یاددہانی اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو اس وقت فرمائی ہے جب کہ منافقین اور منافقات اس غرض کے لیے دن رات ایک کئے ہوئے تھے کہ کسی طرح آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کو اس اعلیٰ نصب العین سے ہٹا کر دنیوی اور مادی زندگی کی لذتوں کی طرف مائل کر دیں۔ چنانچہ منافقوں کی بیویوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے کانوں میں یہ پھونکنا شروع کیا کہ آپ معزز اور امیر گھرانوں کی بیٹیاں ہیں، آپ لوگوں کی پرورش سرداروں کے گھروں میں عیش وآرام کے گہوارے میں ہوئی تھی، لیکن اس شخص نے آپ کو غربت اور فلاکت کی زندگی میں لا کر ڈال دیا ہے اگر آپ ان کی قید سے آزاد ہوتیں تو بڑے بڑے سرداران قبائل آپ کو نکاح کے پیغام دیتے اور آپ کی زندگیاں بڑے عیش وآرام سے گزرتیں۔ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اس سے بالاتر تھیں کہ اس قسم کی شیطانی پروپیگنڈے سے متاثر ہوں، تاہم طبائع انسانی کی عام کمزوری کو سامنے رکھ کر اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کو یاد دلایا کہ وہ خدا کی طرف سے ایک عظیم منصب پر سرفراز ہیں۔ اسی منصب کی ذمہ داریوں کے لیے اللہ نے ان کو چنا ہے اور اس دنیا کی کوئی عزت وشوکت بھی اس منصب کی عزت وشوکت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ چنانچہ فرمایا:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا. وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ آيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا (الاحزاب ۳۳:۳۲-۳۴)

اے نبی کی بیویو! اگر تم تقویٰ کی روش اختیار کرو تو تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو، پس تم

اپنے لہجہ میں ایسی نرمی نہ اختیار کرو کہ جس کے دل میں روگ ہے وہ کسی طمع خام میں مبتلا ہو جائے اور دستور کے مطابق بات کیا کرو۔ اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور گزرے ہوئے زمانۂ جاہلیت کی سی نمائش نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو۔ اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ تم سے دنیا کی آلائشیں دور رکھے، اے نبی کے گھر والو! اور تم کو اچھی طرح پاک کرے اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں ان کا چرچا کرو۔ اللہ تعالیٰ لطیف وخبیر ہے۔

ان آیات سے صاف واضح ہے کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کو سنوارنے اور سدھارنے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا اسی طرح آپ ﷺ کے گھر والوں کو بھی اسی لیے چنا تھا کہ وہ اس مشن کی تکمیل میں آپ کا ہاتھ بٹائیں۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ سب سے اونچا بنایا تا کہ سب لوگ ہادی ومرشد اور پیغمبر وامام کی حیثیت سے آپ کی پیروی کریں، اسی طرح آپ کی ازواج کا درجہ بھی تمام اُمت کے مردوں اور عورتوں کے لیے امہات کا رکھا تا کہ سب لوگ ان کو اپنے لیے نمونہ مان کر ان سے زندگی کے وہ طریقے سیکھیں جو ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوئے ہیں۔

جس طرح ان تعلیمات پر سب سے زیادہ اہتمام سے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمل فرماتے تھے جو آپ ﷺ دوسروں کو دیتے تھے، اسی طرح ازواج مطہرات اور اہل بیت نبوت پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی تھی کہ وہ اپنے گھر سے پھیلنے والے چشمۂ نور سے خود پہلے اچھی طرح منور ہوں پھر اس روشنی سے دوسروں کو منور کریں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے لیے یہ پسند نہیں فرمایا کہ دنیا کے زخارف اس کو اپنی طرف مائل کریں اسی طرح آپ کے اہل بیت کے لیے بھی یہ بات پسند نہیں کی گئی کہ آلائش دنیا کے چھینٹوں سے ان کے دامن آلودہ ہوں۔ اندر اور باہر دونوں جگہ کامل یکسانی اور کامل مشابہت تھی۔ جس اعلیٰ مقصد کے لیے حضور ﷺ نے اپنے دن رات ایک کر رکھے تھے اسی اعلیٰ مقصد میں آپ ﷺ کی ازواج بھی دل وجان سے منہمک تھیں۔

شریر اور دنیا پرست لوگ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یکسوئی کو درہم برہم کرنے کے لیے طرح طرح کے فتنے اٹھاتے رہتے تھے، لیکن اللہ کی تائید اور رہنمائی سے آپ ﷺ ہمیشہ ان فتنوں سے محفوظ رہ کر اپنے کام میں لگے رہے اسی طرح منافقین اور منافقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی یکسوئی میں بھی خلل انداز ہونے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کرتے رہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر فتنہ سے محفوظ رکھا اور دنیا کی دلفریبیاں ان کو صراط مستقیم سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔

آزادانہ انتخاب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے دنیا طلبی کی تمام رغبتوں اور سرگرمیوں سے الگ تھلگ رہ کر محض اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت، اللہ کے دین کی تبلیغ واشاعت او کتاب وسنت کی تعلیم ودعوت کے لیے اپنے آپ کو جو وقف کر دیا تھا تو یہ کوئی مجبوری کا سودا نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کے مقدس شوہر چونکہ ایک خاص طرح کی زندگی اور ایک خاص قسم کے مشن پر مامور کر دیے گئے تھے، اس وجہ سے ان کے لیے اب اس کے سوا کوئی راہ باقی ہی نہیں رہ گئی تھی کہ وہ چارو ناچار اسی کام میں اپنے آپ کو بھی لگائیں اور طوعاً وکرہاً دنیا کی لذتوں اور راحتوں کے ارمانوں سے اپنے دل خالی کریں۔ بلکہ یہ پاکیزہ زندگی انہوں نے آزادانہ انتخاب سے اختیار کی تھی۔ ان کے سامنے دنیا پیش کی گئی لیکن انہوں نے اس کو ٹھکرا دیا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پوری آزادی دی کہ وہ اپنے لیے جو زندگی پسند کریں، اس کا انتخاب کر لیں، انہوں نے ہر قیمت پر آپ کی رفاقت کو منتخب کیا۔

شریروں اور منافقوں نے ان کو طرح طرح سے غیر مطمئن کرنے کی کوشش کی لیکن ان کے اطمینان اور اس سکون خاطر میں جو نبی ﷺ کی محبت میں حاصل تھا کوئی فرق نہ آیا۔ جس زمانہ میں منافقین کی ریشہ دوانیاں ازواج مطہرات کو غیر مطمئن کرنے کے لیے جو غیر معمولی طور پر بڑھ گئیں آپ نے حجت تمام کرنے کے لیے اپنی ازواج کو اس بات کا پورا پورا اختیار دے دیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول اور زخارف دنیا میں سے کسی ایک چیز کا پوری یکسوئی اور دلجمعی سے انتخاب کر لیں اگر انہیں دنیا اور دنیا کی راحتوں اور لذتوں کی خواہش ہے تو اللہ کا رسول ﷺ اس بات کے لیے تیار ہے کہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ ان کو ان کے حقوق دے دلا کر رخصت کر دے اور اگر وہ دنیا پر لات مار کر رسول کی محبت ومعیت اور اقامت دین کے اس جہاد کے لیے اپنے آپ کو وقف کرتی ہیں تو پھر اس زہد وقناعت کی زندگی پر ان کو قانع ہونا پڑے گا جو وہ گزار رہی ہیں۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا.

(الاحزاب ۳۳:۲۸)

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینتوں کی طالب ہو تو

آؤ میں تمھیں تمہارے حقوق دے دلا دوں اور خوبصورتی کے ساتھ تم کو رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کی طالب ہو تو اطمینان رکھو کہ اللہ نے تم میں سے خوبی طلب کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو یہ اختیار دے کر ایک طرف تو ان کے لیے اس بات کا موقع بہم پہنچایا کہ وہ اگر اقامت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے اس جہاد اور زہد و نفس کشی کی اس ریاضت میں آپ کی شریک سفر رہنا چاہتی ہیں تو اپنے اپنے آزادانہ انتخاب واختیار سے رہیں تا کہ اس جہاد و ریاضت کا جو اجر وثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں ملنے والا ہے اس میں پوری پوری حصہ دار بن سکیں۔

دوسری طرف آپ نے ان منافقین کے لیے بھی ان کی کوششوں کا نتیجہ دیکھ لینے کا ایک موقعہ بہم پہنچایا جو ایک عرصہ سے اس مہم میں لگے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ کی گھریلو زندگی میں کوئی بے اطمینانی اور انتشار پیدا کر کے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان کے بعد قدرتی طور پر ان کو دلی خوشی ہوئی ہوگی کہ ایک لمبے عرصہ تک فساد کی جو فصل بوتے اور جس کو سینچتے رہے ہیں۔ اب اس کا بار آور ہونے کا وقت آیا ہے وہ متوقع ہوئے ہوں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کو اکسانے اور ان کی موجودہ زندگی سے ان کو بیزار کرنے کی جو جدوجہد کرتے رہے ہیں اب اس کے نتائج کچھ نہ کچھ ضرور نکلیں گے۔ آپ کی ازواج میں سے سب نہیں تو بعض تو ضرور ہی اس اختیار کے بعد آپ کی رفاقت سے انکار کر دیں گی اور اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈا کرنے اور آپ کو ایذا پہنچانے کا نیا مواد ان کو ہاتھ آئے گا۔ لیکن ان کے چھکے چھوٹ گئے ہوں گے جب انہوں نے دیکھا ہوگا کہ اس اختیار کے پانے کے بعد آپ ﷺ کی ازواج کی جذبہ اطاعت وانقیاد اور جوش محبت ووفاداری اور بڑھ گیا اور ان میں سے ایک ایک نے صاف صاف الفاظ میں اس امر کا اظہار کیا کہ:

''آپ ﷺ کی غلامی کے آگے تمام دنیا کی سلطنت اور سارے کون ومکان کی سروری وسرداری بھی ہیچ ہے۔'' اس طرح یہ حقیقت مخالفین اور موافقین دونوں پر واضح ہوگئی کہ حضور ﷺ کی ازواج کی زندگیاں اس مقدس مشن کے ساتھ صرف اس لیے نہیں بندھی تھیں کہ وہ حضور ﷺ کے رشتہ ازواج میں منسلک تھیں۔ بلکہ ان میں سے خود ہر ایک کا مطلوب حقیقی بھی یہی مشن بن گیا تھا۔

بخاری میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بتایا کہ جب مذکورہ آیت تخییر اتری تو حضور ﷺ نے اپنی ازواج میں سے ایک ایک کے سامنے اس مسئلہ کو رکھا اور اس کا

آغاز مجھ سے کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سے ایک بات کہہ رہا ہوں لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ تم اس کے جواب کے لیے جلدی کرو۔ اس کا جواب تم اپنے والدین سے مشورہ کے بعد مجھے دو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی میں نے عرض کی کہ اس میں ایسی کیا بات ہے جس کے بارے میں مجھے اپنے والدین سے مشورہ کی ضرورت ہو۔ میں دنیا اور اس کی زینتوں کے مقابل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور آخرت کی زندگی کو اختیار کرتی ہوں۔

بولائے تو کہ گر بندہ خویشم خوانی
از سر خواجگی کون و مکاں برخیزم

پھر یہی سوال حضور ﷺ نے یکے بعد دیگرے اپنی تمام ازواج کے سامنے رکھا اور سب کا جواب وہی تھا جو حضرت عائشہ صدیقہ کا تھا اور اس کے سوا جواب اور ہو بھی کیا سکتا تھا؟ سن وسال کے لحاظ سے اگر دنیا کی زندگی اور اس کی زینتوں کا ارمان ہوسکتا تھا تو حضرت عائشہؓ کے دل میں ہوسکتا تھا، لیکن جب عشق حق نے ان کو اس قدر دنیا سے بے نیاز اور آخرت کا طالب بنا دیا تھا کہ اللہ کی محبت اور رسول ﷺ کی اطاعت پر سب کچھ قربان کر دینے میں زندگی کی حقیقی لذت محسوس کر رہی تھیں تو دوسروں کا جواب ان کے جواب سے کس طرح مختلف ہوسکتا تھا۔

بعض مستشرقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت پر ''حرم'' کی پھبتی چست کرتے ہیں۔ بعض آپ کی ازواج مطہرات کو قیدیوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ ''گرفتاران بلا'' تھیں جو صرف اس لیے آپ کی ساتھ بندھی ہوئی تھیں کہ ان کے لیے کوئی راہ فرار باقی نہیں رہی تھی۔ لیکن کیا پوری تاریخ انسانی میں ایک مثال بھی اس امر کی پیش کی جاسکتی ہے کہ کسی نے اپنے قیدیوں کے سامنے آزادی کا اختیار نامہ رکھا ہو جو حضور ﷺ نے رکھا، لیکن قیدیوں نے اس آزادی پر اس غلامی ہی کو ترجیح دی ہو؟

محبت، اعتماد اور خودداری کی فضا

لیکن کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ اگر حضور ﷺ اور حضور ﷺ کے اہل بیت نے دنیا کی جگہ آخرت، ثروت وامارت کی جگہ فقر اور خدمت نفس کی جگہ خدمت انسانیت کے اس نصب العین کو اپنے لیے پسند فرمایا تھا۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی گھریلو زندگی میں کوئی لذت وکیفیت، کوئی چہل پہل اور سرگرمی اور اتار چڑھاؤ کی کوئی نرمی وگرمی سرے سے باقی ہی نہیں رہ گئی تھی۔ ایک ہموار زندگی تھی ہر قسم کے نشیب وفراز سے

خالی ایک پر سکون ماحول تھا۔ ہر قسم کے جذبات کی مداخلت سے پاک اور محفوظ ایک بہتا ہوا دریا تھا ہر قسم کے تلاطم اور تموج سے یکسر نا آشنا حضور کی گھریلو زندگی کے متعلق جن لوگوں کا تصور یہ ہے ان کا تصور نہایت غلط ہے۔ آپ ﷺ کی باہر کی زندگی کی طرح آپ ﷺ کی گھر کی زندگی بھی ان تمام کیفیات سے معمور اور پر رونق تھی۔ جس سے انسانی زندگی کو معمور اور پر رونق ہونا چاہیے۔ البتہ اس میں افراط و تفریط کی بے اعتدالیاں یا عیش دنیا کی خود فراموشیاں نہیں تھیں۔ آپ سوتے بھی تھے۔ جاگتے بھی تھے، آپ ﷺ کھاتے بھی تھے اور بھوکے بھی رہتے تھے۔ آپ ﷺ خوش بھی ہوتے تھے اور ناخوش بھی ہوتے تھے۔ آپ پیار بھی کرتے تھے اور سرزنش بھی فرماتے تھے۔ غرض زندگی کے جتنے پہلو ہو سکتے ہیں آپ ﷺ کی گھریلو زندگی میں بھی وہ سارے پہلو پائے جاتے تھے۔ بس دوسروں کی زندگی سے اگر کوئی فرق تھا تو جیسا کہ عرض کیا گیا۔ یہ فرق تھا کہ زندگی ایک مثالی زندگی تھی اس وجہ سے اس میں کوئی شے نہ اپنے فطری حدود سے آگے بڑھی ہوئی تھی اور نہ اس سے پیچھے ہٹی ہوئی تھی۔ اگر کوئی چیز ذرا بھی آگے پیچھے ہٹتی تو ہمیشہ عالم الغیب کی طرف سے اس کی اصلاح کر دی جاتی۔

آپ ﷺ اپنی ازواج پر حد درجہ شفقت فرماتے تھے یہاں تک کہ بعض اوقات آپ ان کی دلداری کے خیال سے کوئی ایسی چیز کھانی چھوڑ دیتے جو خود آپ کو مرغوب ہوتی لیکن آپ ﷺ کی ازواج میں سے کسی کے مذاق کے خلاف ہوتی۔ آپ کی یہ شفقت و دلداری اللہ تعالیٰ نے پسند فرمائی۔ لیکن ساتھ ہی اس امر سے آگاہ فرمایا کہ یہ چیز اس حد تک نہیں بڑھنی چاہیے کہ اس کے سبب سے کوئی جائز چیز ناجائز بن جائے۔ آپ اپنی ازواج مطہرات پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے ان کو اپنے رازوں میں شریک کرتے تھے۔ اس لیے کہ اگر بیوی محرم راز نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن اگر بیویوں کی طرف سے ان رازوں کی حفاظت میں کوتاہی ہوتی تو اس پر آپ ﷺ ان کو سرزنش بھی فرماتے کیونکہ جس طرح شوہر کے لیے یہ بات پسندیدہ ہے کہ وہ اپنی بیوی پر اعتماد کرے اسی طرح بیوی کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے شوہر کے رازوں کی امین بنے اور اس میں کوئی خیانت نہ کرے۔

آپ اپنی بیوی بچوں کو سرزنش بھی فرماتے تھے لیکن سرزنش کرنے کے معاملہ میں بھی حضور ﷺ کا ایک خاص انداز تھا۔ آپ ﷺ اگر کسی بات پر سرزنش فرماتے تو اس طرح نہیں کہ جس کو سرزنش کی اس کے لتے لے ڈالے، بلکہ اس طرح کہ مخاطب بات سمجھ بھی جائے اور اس پر کچھ زیادہ گراں بھی نہ گزرے۔ آپ کی ازواج کے باہمی تعلقات (معمولی فطری نسوانی جذبات کے وقتی ظہور کے سوا) نہایت خوشگوار تھے۔ یہاں

تک کہ وہ اپنے راز کی باتیں بھی ایک دوسرے پر ظاہر کر دیا کرتی تھیں۔ اس چیز پر بھی حضور ﷺ نگاہ رکھتے تھے کہ نہ تو غیر معمولی اعتماد کسی بے راہ روی میں مبتلا کرے اور نہ بلاوجہ کی بے اعتمادی کسی خرابی کا باعث بنے۔ حضور ﷺ کی ازواج کبھی کبھی خود حضور ﷺ کے مقابل میں بھی اپنی خودداری کا اظہار کرتی تھیں اور حضور ﷺ اس کو بھی پسند فرماتے تھے بشرطیکہ یہ اپنی جائز حدود سے آگے نہ بڑھے۔

زندگی کے یہ سارے نشیب و فراز جو حضور ﷺ کی زندگی میں موجود تھے، ایک ایسی زندگی کا نقشہ پیش کرتے ہیں جس کو انسانی زندگی کا بہترین مظہر کہا جا سکتا ہے۔ ہم یہاں قرآن مجید کی آیتیں نقل کرتے ہیں جن میں آپ کی گھریلو زندگی کے بعد مخفی گوشوں کی طرف اشارات کیے گئے ہیں۔ اگر آپ ان کی تہ میں اتر کر غور کریں گے تو وہ ساری جھلکیاں آپ خود دیکھ لیں گے جو اوپر کی سطروں میں نمایاں ہوئی ہیں۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ. اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ. (تحریم ۶۶: ۱-۴)

اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لیے جائز ٹھہرائی ہے اس کو اپنی بیویوں کی دلداری کے خیال سے اپنے لیے حرام کیوں ٹھہراتے ہو؟ اللہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اللہ نے تمہارے لیے تمہاری خلاف شرع قسموں کو توڑنا فرض ٹھہرایا ہے۔ اور اللہ ہی تمہارا آقا و مولا ہے۔ اور وہ علم و حکمت والا ہے۔ اور جب کہ پیغمبر نے اپنی کسی بیوی سے کوئی راز کی بات کہی تو جب ان بیوی نے وہ بات دوسری بیوی کو بتا دی اور اللہ نے اس امر سے آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا تو کچھ حصہ کا آپ ﷺ نے ذکر کیا اور کچھ حصہ کو حذف کر دیا تو جب آپ ﷺ نے ان بیویوں پر ظاہر کیا تو وہ بولیں کہ آپ کو اس چیز سے کس نے آگاہ کیا؟ آپ نے کہا مجھے خدائے علیم و خبیر نے آگاہ کیا۔ اگر تم دونوں بیویاں اللہ کی طرف رجوع کرو تو یہی تمہارے شایان شان ہے۔ کیونکہ تمہارے دل پہلے ہی سے اللہ کی طرف مائل ہیں۔

اگر تم پیغمبر کے خلاف ایکا کرو گی تو اللہ اس کا مالک ہے۔ اور جبریل اور تمام مسلمان اور ملائکہ اس کے ساتھی ہیں۔

ان آیات میں جس چیز کی تحریم کا ذکر کیا ہے۔ یا جس راز کی طرف اشارہ ہے ان کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو باتیں اللہ تعالیٰ نے راز رکھیں ان کی کھوج کرید کوئی اچھی بات نہیں ہے بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج کے درمیان کے کسی راز کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا تو ہمارے لیے کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ لیکن ان آیات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کے جو پہلو بالکل نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آرہے ہیں انہیں ہمیں ضرور سمجھنا چاہیے۔ ان سے اس بات کا ثبوت فراہم ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کوئی بے رنگ، سپاٹ اور بے نشیب وفراز زندگی نہیں تھی۔ بلکہ انسانی فطرت جن پاکیزہ تقاضوں اور جن خوبصورت داعیات سے مرکب ہے، ان کی دھوپ چھاؤں یہاں بھی موجود ہے۔ مثلاً ان آیات کے عمق میں اتر کر غور کیجیے تو مندرجہ ذیل باتیں نہایت واضح طور پر آپ کے سامنے آئیں گی۔

ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز حدود کے اندر اپنی ازواج کی دلداری فرماتے تھے۔ ان کے مذاق کا لحاظ رکھتے تھے اور ان کے جو شوق بے ضرر ہوتے تھے حتی الامکان وہ پورے کر دیتے۔

دوسری یہ کہ آپ ﷺ کی بیویاں آپ ﷺ کی شریک رنج وراحت تھیں۔ آپ ﷺ ان سے ہر طرح کی باتیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ ان کو اپنے رازوں کا امین بھی بناتے تھے۔

تیسری یہ کہ آپ ﷺ کی بیویوں کے آپس کے تعلقات نہایت محبت اور اخلاص کے تھے۔ اگرچہ کبھی کبھی بتقاضائے فطرت انسانی ان میں سوکنوں کے سے جذبات بھی ابھر آتے تھے۔ لیکن یہ عام حالت نہیں تھی۔ عام حالت اس قدر اعتماد ومحبت کی تھی کہ ایک دوسرے کو شوہر کے راز سے بھی آگاہ کر دیتی تھیں حالانکہ سوکنوں میں یہ اخلاق بہت کم پایا جاتا ہے۔

چوتھی یہ کہ آپ ﷺ کی ازواج کو اپنے گھروں میں جائز حد تک اپنی خودداری کے اظہار کا پورا پورا موقع حاصل تھا۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایکا بھی کر لیتی تھیں۔ چونکہ یہ چیز محض بربنائے محبت واعتماد ہوتی تھی اس وجہ سے اس کو ہمیشہ حضور ﷺ نے گوارا فرمایا۔ صرف اس وقت اس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو روکا۔ جب یہ اپنی فطری حدود سے بڑھتی نظر آئی۔

حضور ﷺ کی گھریلو زندگی کی یہ جھلکیاں ہمیں قرآن مجید میں نظر آتی ہیں۔ اگر اس کو ہم سیرت کی

کتابوں میں دیکھیں تو وہاں ہر پہلو سے متعلق ہمیں پوری تفصیلات ملتی ہیں۔ لیکن ان تفصیلات کے لیے اس مضمون میں گنجائش نہیں ہے۔ اس وجہ سے ہم زادالمعاد کی مندرجہ ذیل سطروں پر قناعت کرتے ہیں۔ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ نہایت محبت اور حسن سلوک کا معاملہ کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے پاس انصار کی لڑکیاں جمع ہو جاتیں اور آپ ﷺ ان کو ان کے ساتھ کھیلنے کے لیے چھوڑ دیتے۔ اگر وہ (حضرت عائشہؓ) کسی ایسی بات کی خواہش کرتیں جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہوتی تو آپ ﷺ ان کی خواہش پوری کر دیتے۔ وہ جس برتن سے پانی پیتیں آپ ﷺ بھی اس برتن سے ان کے منہ لگانے کی جگہ منہ لگا کر پانی پی لیتے۔ جس ہڈی کو وہ چوستیں اس ہڈی کو آپ ﷺ بھی لے کر چوستے۔"

"ایک مرتبہ اہل حبشہ مسجد نبوی میں اپنے کرتب دکھا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے لیے اس کا موقع پیدا فرمایا کہ وہ آپ ﷺ کے کندھے کی اوٹ سے ان کے کرتب دیکھ لیں۔ دو مرتبہ آپ ﷺ سفر کے موقع پر ان کے ساتھ دوڑے بھی۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا ہو۔ اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرنے والا ہوں۔ نماز عصر پڑھ کر آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ تمام ازواج کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کی خیر خیریت دریافت فرماتے۔ پھر شب میں جس کی باری ہوتی ان کے یہاں قیام فرماتے۔"

(زادالمعاد جلد ۱ ص ۳۸)

محاسبہ

لیکن اس تمام اعتماد ومحبت کے باوجود حضور ﷺ اپنے اہل بیت کے محاسبہ سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ ایک طرف شفقت ومہربانی کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کے خادم خاص حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال مسلسل خدمت کی (دوسری روایت میں نو سال کے الفاظ ہیں) لیکن حضور ﷺ نے میری کسی بات پر اُف تک نہیں کیا۔ لیکن دوسری طرف محاسبہ کا یہ اہتمام تھا کہ دینی معاملات میں اگر ادنیٰ کوتاہی بھی کسی سے صادر ہوتی تو ناممکن تھا کہ وہ آپ ﷺ کی گرفت سے بچ سکے۔

امہات المومنین کی یہ شہادت ہے کہ حضور ﷺ اپنے ذاتی معاملات میں کسی سے کبھی باز پرس نہیں فرماتے تھے۔ لیکن خدا اور دین کے معاملہ میں ہر کوتاہی پر ضرور باز پرس فرماتے اور اس احتساب سے کوئی محبوب سے محبوب شخصیت بھی نہیں بچ سکتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے زیادہ آپ ﷺ کو اور کون محبوب ہو سکتا تھا؟ ایک مرتبہ ان کی زبان سے حضرت صفیہؓ کے بارے میں یہ الفاظ نکل گئے کہ حَسْبُکَ مِنْ صفیہ کذا کذ" (صفیہ میں یہ عیب کیا کم ہے کہ ان کا قد چھوٹا ہے) یہ بات ان کی زبان سے نکلی تھی کہ آپ ﷺ نے فوراً ان کو تنبیہ فرمائی اور جن الفاظ میں فرمائی ذرا ان کے تیور ملاحظہ ہوں:

"عائشہ! تم نے ایک ایسی بات زبان سے نکال دی ہے کہ اگر وہ سمندر میں بھی ملا دی جائے تو اس کی کڑواہٹ اس کو بھی تلخ کر کے رکھ دے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ محاسبہ بھی درحقیقت آپ ﷺ کی محبت ہی کا ایک پہلو تھا جو لوگ اپنے گھر والوں سے محض مادی قسم کی محبت رکھتے ہیں۔ وہ اپنے ذاتی عیش و آرام سے تعلق رکھنے والی باتوں پر تو بڑے سخت گیر اور تنگ مزاج ہوتے ہیں۔ ممکن نہیں ہے کہ کوئی ادنیٰ کوتاہی بھی کسی سے سرزد ہو جائے اور وہ اس کو نظر انداز کر جائیں لیکن خدا اور شریعت کے معاملات میں وہ بڑے روادار اور فیاض ہوتے ہیں۔ بیوی بچوں میں سے جس کا جی چاہے اپنی آخرت کی بربادی کے لیے جو چاہے کر گزرے۔ انہیں کبھی ان کو ٹوکنے کی توفیق نہیں ہو گی۔ حالانکہ حقیقی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کوتاہیوں کو تو نظر انداز کریں جو ان کی اپنی ذات کے معاملہ میں ہوں اور ان باتوں پر گرفت کریں جن کا تعلق خود ان کی اپنی آخرت سے ہو۔ حضور ﷺ کا طریقہ یہی تھا، آپ ﷺ اپنے ذاتی آرام سے زیادہ اس بات کے لیے فکرمند رہتے کہ گھر والے اپنی آخرت کی ذمہ داریوں کی طرف سے غافل نہ ہونے پائیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مرتبہ اللہ تعالیٰ نے جتنا اونچا بنایا تھا اسی اعتبار سے ان کی ذمہ داریاں بھی بھاری تھیں۔ دوسروں کے مقابل میں ان کا اجر بھی دگنا تھا اور اگر ان سے کوئی جرم سرزد ہوتا اس کی سزا بھی دگنی تھی۔

يَانِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذَالِکَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا. وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا. (الاحزاب ۳۳: ۳۰-۳۱)

اے پیغمبر کی بیویو! جو تم میں سے کسی کھلی ہوئی برائی کی مرتکب ہو گی تو اس کو دوہری سزا

سنا دی جائے گی اور یہ اللہ کے لیے سہل بات ہے۔ اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہیں گی اور بھلے کام کرتی رہیں گی ہم ان کو ان کا اجر دوہرا دیں گے اور ان کے لیے ہم نے رزق کریم تیار کر رکھا ہے۔

حضور ﷺ اپنے اہل بیت کی ان ذمہ داریوں کے احساس سے ہمیشہ گرانبار رہتے اور ہر وقت ان کو دنیا کے بجائے آخرت کی کامیابیوں کے لیے ابھارتے رہتے۔ آپ ﷺ جب شب کی نمازوں کے لیے اٹھتے تو آپ ﷺ کی یہ خواہش ہوتی کہ آپ ﷺ کی بیویاں بھی اس سعادت میں حصہ لیں اور بسا اوقات آپ ﷺ اسی کے لیے نہایت نرمی اور محبت سے ان کو شوق بھی دلاتے۔ دروازے پر کوئی سائل آتا تو گھر والوں کو اس کے حقوق یاد دلاتے۔ کوئی مہمان آتا تو اس کی خدمت پر سب کو ابھارتے۔ اور کبھی کبھی سب کو جمع کر کے نام لے لے کر مخاطب فرماتے اور بتاتے کہ اپنی آخرت کے لیے جو کچھ کر سکتی ہو کر لو میں وہاں تمہارے کچھ کام نہ آ سکوں گا۔

اعراف

قیامت کے دن رجال اُمت کو یہ اعزاز حاصل ہو گا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اعراف کی بلندیوں سے جنت و دوزخ دونوں کا مشاہدہ کرائے گا۔ اعراف سے مراد یہ ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان جو دیوار کھڑی کی جائے گی یہ اعراف یعنی مینارے اور برجیاں اسی دیوار پر ہوں گی۔ جہاں سے جنت و دوزخ کے تمام مناظر کا مشاہدہ ہو سکے گا۔ رجال سے مراد نمایاں اور ممتاز اشخاص ہوتے ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت یادالٰہی سے غافل نہیں کرتی۔ ان سے مراد علماء اور دوسرے رجال امت ہیں جو دنیا میں حق و باطل کی کشمکش میں حق کے علمبردار، خیر کے داعی اور منکر سے روکنے والے رہے جنہوں نے حق کی حمایت میں اہل باطل کے چرکے سہے اور جو مظلوموں کی مدافعت میں سینہ سپر ہو گئے۔ چنانچہ فرمایا:

''اور ان کے درمیان پردے کی دیوار ہو گی اور دیوار کی برجیوں پر کچھ لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو ان کی علامت سے پہچانیں گے اور وہ اہل جنت کو پکار کر کہیں گے کہ آپ پر اللہ کی رحمت و سلامتی ہو۔ وہ اس میں ابھی داخل نہیں ہوئے ہوں گے لیکن متوقع ہوں گے اور جب ان کو اہل دوزخ کی طرف توجہ دلائی جائے گی وہ پکار اٹھیں گے: اے ہمارے رب ہمیں ان ظالموں کا ساتھی نہ بنائیو! اور برجیوں والے کچھ اشخاص کو جن کو وہ ان کی علامت سے پہچانتے ہوں گے آواز دیں گے۔ کہیں گے کیا کام آئی تمہارے تمہاری جمعیت اور تمہارا وہ سارا گھمنڈ جو تم کرتے تھے! کیا یہی ہیں وہ لوگ جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ یہ کبھی اللہ کی رحمت کے سزاوار نہیں ہو سکتے! داخل ہو جنت میں اب نہ تم کو کوئی خوف ہے اور نہ تمہیں کوئی غم لاحق ہو گا۔''

(الاعراف ۷:۴۶-۴۹)

یعنی رجال امت بلاشبہ قیامت کے دن اس اعزاز کے سزاوار ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اعراف کی بلندیوں سے جنت و دوزخ کا مشاہدہ کرائے تا کہ وہ حق و باطل دونوں کا آخری انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اپنی زبانوں سے رفقاء حق کو مبارکباد دیں اور دشمنان حق کو سرزنش کریں۔ یہ لوگ اعراف کی بلندیوں سے سب سے پہلے اہل جنت کو سلامتی و مبارکی کا پیغام دیں گے۔ ان کو جنت میں بھیجنے سے پہلے ہی یہ مشاہدہ کرایا جائے گا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دعوے کی سچائی کو ہر پہلو سے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جنت میں داخل ہوں۔ باوجودیکہ یہ سارا اعزاز و اکرام صاف شہادت دے رہا ہو گا کہ اللہ کے ہاں ان کا مرتبہ اور مقام کیا ہے لیکن وہ اپنی تواضع و فروتنی کے سبب سے اپنے آپ کو امیدوار رحمت ہی کے درجہ میں سمجھیں گے۔ یہ ملحوظ رہے کہ جو لوگ اللہ کی شانیں جانتے ہیں وہ اپنے آپ کو امیدوار اور طمع کے درجے سے اونچا کبھی نہیں لے جاتے۔ یہ تنگ ظرفوں کا شیوہ ہے کہ وہ بہت تھوڑے میں بہک جاتے ہیں۔

اہل اعراف پہلے اہل جنت کی کامرانیوں کا مشاہدہ کریں گے اور اس کے مشاہدے کے بالکل محو ہو جائیں گے اس لیے کہ وہاں حال یہ ہو گا کہ

زفرق تابقدم ہر کجا کہ من نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

پھر اہل دوزخ کی طرف ان کی توجہ دلائی جائے گی کہ ذرا ایک نظر دشمنان حق کے انجام پر بھی ڈال لیجئے ان پر نظر پڑتے ہی ان کی زبان سے بے تحاشا تعوذ کی دعا نکلے گی **ربنا لا تجعلنا مع القوم الظلمین** (اے ہمارے رب ہمیں ظالموں کے ساتھ شامل نہ کیجیو) یہ دعا ان کی کمال خشیت کی بھی دلیل ہے اور جہنم کی ہولناکی کی بھی۔

اہل اعراف اہل دوزخ کے لیڈروں سے خطاب کر کے کہیں گے ''کیا کام آئی تمہارے تمہاری جمعیت اور تمہارا وہ سارا گھمنڈ جو تم کرتے تھے۔'' یہ خطاب ائمہ کفر سے اس لیے ہو گا کہ اپنی جمعیت پر ناز اور اپنے مال و جاہ پر غرور ان ہی کو تھا۔ دوزخ میں یہ لوگ اپنے نمایاں نشان سے ممتاز ہوں گے اس وجہ سے اہل اعراف پہچان جائیں گے کہ یہ ابولہب ہے یہ ابوجہل ہے یہ فلاں اور یہ فلاں ہے ان کو مخاطب کر کے اہل اعراف ان سے یہ سوال بطور تفضیح کریں گے۔ ہر دور کے ائمہ کفر کا اپنے مال و اسباب اور اپنی جمعیت پر غرور قرآن میں تفصیل

سے مذکور ہے۔ اہل اعراف ساکنان جنت کی طرف اشارہ کر کے ائمہ کفر سے مزید سوال کریں گے کہ بتاؤ کیا یہی وہ لوگ نہیں ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کے کہتے تھے کہ یہ کبھی خدا کے کسی فضل کے سزاوار نہیں ہو سکتے؟ قرآن میں مذکور ہے کہ سادات قریش اسلام کے خلاف ایک بہت بڑی دلیل یہی لاتے تھے کہ اگر اس میں کوئی خیر کا پہلو ہوتا تو کیا اس کے پیرو یہی فقیر، فاقہ کش اور غلام ونادار بنتے؟ خدا کی ساری نعمتوں کے سزاوار تو ہم بنائے گئے ہیں پھر اس کے لیے ان کا انتخاب کیوں ہوا! اہل اعراف ان کے اسی غرور کو سامنے رکھ کر سوال کریں گے کہ بتاؤ جن کو تم کسی فضل ورحمت کا سزاوار نہیں سمجھتے تھے وہ کہاں ہیں اور تم کہاں ہو۔ اس کے بعد اصحاب اعراف اہل جنت کو مخاطب کر کے کہیں گے کہ مال وجاہ کے غرور کے متوالے تو تمہیں نہایت حقیر وذلیل سمجھتے رہے لیکن اللہ نے ان کے علی الرغم تمہیں جنت کی سرفرازی بخشی تم اس میں سرفراز ہو، اب نہ تمہارے لیے کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مراسلہ، مذاکرہ

سوال: اگر ایک انسان نے ساری زندگی کوئی اچھے اعمال نہ کیے ہوں تو کیا کسی وقت میں کی گئی کوئی نیکی اس کی بخشش کا باعث بن سکتی ہے؟

جواب: اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا، بن تو سکتی ہے لیکن نیکی ہونی چاہیے۔ فرض کیجیے کہ کسی نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی لیکن اس نے دیکھا کہ اللہ کی راہ میں جہاد ہو رہا ہے۔ اس نے لا الہ الا اللہ کہا اور جہاد میں کود پڑا اور جان دے دی تو امید یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دے۔ لیکن کسی نے کتے کو یا بلی کو پانی پلایا اور اس کا یہ عمل اس کی ساری زندگی کی سب چیزوں کا کفارہ ہو سکے تو یہ مسئلہ قابل غور ہے۔ اتنا چھوٹا عمل اتنی بڑی جزا کا سبب کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر کسی کے اعمال تو ہوں لیکن اتنے ہوں کہ اس کا نیکی کا پلڑا بھاری نہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ ایک چھوٹا سا عمل ہی اس کے میزان کو بھاری کرنے کے لیے کافی ہو۔ ایک شخص کھجور کھا رہا تھا اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس وقت اس جنگ میں مارا جاؤں تو کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا شہید ہو گے۔ اس نے کہا پھر تو کھجور کھانے کا وقت نہیں، پھینک دیا، لا الہ الا اللہ پڑھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ آپ نے فرمایا: اس کے لیے جنت ہے۔

سوال: نصاریٰ کا مذہب وہی تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لائے اور تورات پر مبنی تھا تو کیا انجیل کے ذریعہ تورات کی تعلیمات میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی؟

جواب: یہ درست ہے کہ نصاریٰ کا مذہب وہی تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لائے اور تورات پر مبنی تھا۔ رہ گیا یہ سوال کہ انجیل کے ذریعہ تورات کی تعلیمات میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی تو جتنی تبدیلی ہوئی وہ قرآن مجید میں بیان بھی کر دی گئی ہے۔ انجیل کے ذریعہ سے بعض چیزوں کو، بعض محرمات کو ان کے لیے جائز کیا گیا اور بعض چیزوں کو کچھ تبدیل کیا گیا اور بہر حال وہ بنیادی چیزیں ہیں، کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ اسی پر اگر نصاریٰ ٹھیک عمل کرتے تو صرف یہ ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

تعلیمات میں بعض پہلو جو وقتی طور پر سخت ہو گئے تھے اور بعض چیزیں جو یہود نے غلط داخل کر لی تھیں ان کی اصلاح ہو جاتی، ٹھیک وہی دین ہوتا یعنی صحیح دین جو یہود کا تھا۔ لیکن پال نے نصرانیت کو مقبول کرنے کے لیے ان تمام چیزوں کو جو یہودیت میں بھی حرام تھیں جائز قرار دے دیا تو پال نے ایک نیا دین بنا دیا۔ اس کو حضرت مسیح علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سوال: شیطانی طاقتوں کے ہاتھوں آج کل مسلمانوں کے لیے زمین کیوں تنگ کی جا رہی ہے؟ بلکہ سفاکانہ طریقہ سے قتل کیا جا رہا ہے۔ کیا مسلمانوں کی کوئی حکومت نہیں جو ان کو اس ذلت سے بچا سکے؟

جواب: اس کیوں سے کیا مطلب ہے آپ کا؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ آپ سے تو بڑی دوستی ہے، اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ اس نے تمام دنیا پر آپ کی حکمرانی قائم کی اور آپ کے لیے فرائض و ذمہ داریاں مقرر کیں۔ اس طریقہ کی زندگی بسر کرو گے تو تمہارے لیے یہ ہے اور اس کے خلاف کرو گے تو یہی لوگ جو تم سے دبے ہوئے ہیں وہ تم پر چڑھ دوڑیں گے یہ فرمایا تھا۔ یہ نہ خیال کیجیے کہ میں اپنی طرف سے کچھ بنا رہا ہوں، یہ قرآن میں صاف صاف الفاظ میں ہے۔ اب یہ ہے کہ جب یہ صورت پیدا ہو گئی کہ آپ نے فرائض اور ذمہ داریاں نبھانی چھوڑ دیں تو اس کی بجائے بداعمالیوں میں آپ آ گئے۔ اب بھی شکر کیجیے کہ دنیا میں ابھی آپ زندہ ہیں اور اس شکل میں زندہ ہیں کہ اگر سیلاب بن جانے کا ارادہ ہو تو جب چاہیں سیلاب بن جائیں، اس شکل میں آپ موجود ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی حکومتیں تو کلمہ گو ہیں امریکہ کی یا روس کی یا کسی نہ کسی، کی انہی کا دیا ہوا کھاتے ہیں۔ تو یہ ہمارے اعمال کی گویا سزا ہے۔ یہ یاد رکھیے! کہ مسلمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ ہے کہ ابھی آپ دنیا میں اتنے ذلیل نہیں ہوئے جتنے کہ آپ اپنے اعمال کی وجہ سے حقدار ہیں۔ یہ کوئی قوم رہ گئی ہے کہ جن کے پڑھے لکھے لوگ، اصطلاح میں گھوڑے کی طرح بکنے والے ہیں۔

سوال: موجودہ دور میں مذہب اسلام اپنانے والے بزدل اور بے غیرت کیوں ہیں جب کہ اسلام کی تعلیمات اس کے برعکس ہیں؟

جواب: یہ لوگ مذہب اسلام اپنانے والے ہیں، اس پر ایمان نہیں رکھتے، بس اپنا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

اپنانے والوں سے کوئی معاملہ نہیں۔ آپ ایک لبادہ اوڑھ لیں تو اس طریقہ سے مسلمان نہیں بن جاتے۔ مسلمان تو بنتا ہے اپنے عقیدہ کو، اپنے اعمال کو، اپنے کردار کو، اپنے مزاج کو، اپنے معاش و معیشت کو، ہر چیز کو خدا کے منشاء کے مطابق کر دینے سے۔ صرف اپنا لینے سے یوں ہی نہیں بن جاتا۔ ایسی نکمی قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ اب تک یہ قوم بہرحال مردہ نہیں ہوئی، یہ نہیں معلوم کہ کدھر سے یہ کروٹ لے گی، امید یہی ہے کہ کروٹ لے گی۔

سوال: انسان کے اندر عجلت ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی سرشت میں یہ چیز ہے اور اگر یہ نہ ہو تو انسان ایک ست **(Dull)** اور جامد چیز بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ جس چیز کو یہ خیر پائے اس کی طرف یہ جلدی کرے لیکن مصیبت یہ ہے کہ یہ شر کی طرف جلدی کرتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا نفع فوری ملنے کی امید ہے۔ انسان کے اندر عجلت رکھی ہے خیر کی طلب کے لیے، یہ شر کی طلب کے لیے نہیں رکھی ہے۔ انسان کے اندر دنیا کی زندگی سے متعلق جو خواہشیں رکھی ہیں وہ تمام کی تمام درست ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمیز دی ہے کہ کیا شر ہے اور کیا خیر ہے۔ انسان کے اندر قوت ارادی جو دی ہے تو وہ جس چیز کو چاہے کنٹرول کرے اور اگر چاہے تو ڈھیل دے دے۔ اگر آپ چاہیں تو آپ اپنی کسی بری عادت کے آگے بے بس نہیں ہیں۔

سوال: ہمارے علماء جب اسلامی قانون کا نام لیتے ہیں تو اس کی بنیاد کے طور پر قرآن و سنت کا نام لیتے ہیں لیکن ان کے نزدیک سنت کوئی متعین چیز نہیں ہوتی اور اسی لیے ملک میں شریعت کے نفاذ کا سوال پیدا ہوتا ہے تو ان کی تان فقہ حنفی پر آ کر ٹوٹتی ہے۔ آخر سنت اتنی غیر متعین چیز کیوں ہے جبکہ اہمیت کے لحاظ سے یہ قرآن کے ساتھ آتی ہے؟

جواب: یہ سوال تو کچھ غیر ضروری سا ہے کہ کیوں ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ قرآن مجید کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیے لیکن آخر قرآن مجید کے ہوتے ہوئے یہ سارا اختلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ جن رسوم، جن عبادات، جن تخیلات، اور جن تقیدات کے اندر پڑے ہوئے ہیں ان کو چھوڑ کر

کے قرآن وسنت کی طرف پورے ارادے کے ساتھ لوٹنا نہیں چاہتے۔ اس میں بہت مشکلیں ہیں، اس میں تو شبہ نہیں ہے۔ ایک نیا جامہ تیار کرنا پڑے گا۔ ایک نئی زندگی اختیار کرنی پڑے گی اس لیے لوگ اس کو اختیار نہیں کرنا چاہتے۔ صرف کتاب وسنت کے نام کا دعویٰ کرنا چاہتے ہیں حالانکہ نہ کتاب علیحدہ ہے نہ سنت۔ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے جو ایک کتاب مبین ہے۔ قرآن کے جو علماء ہیں وہ قرآن کی زبان کو جانیں، کلام کے نظام کو جانیں، اس کے طریقہ استدلال کو جانیں تو قرآن سمجھنے میں ان کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ اسی طریقہ سے سنت جو ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور جو آپ کے صحابہ کے ذریعہ سے صحیح طریقہ پر مسلمانوں کے سامنے آیا ہے۔ جس طریقہ سے صحابہ چلے، جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا وہی سنت کا طریقہ ہے۔ اس میں جو اختلاف ہے اس اختلاف کی بھی گنجائش ہے۔ فرض کر لیجیے ایک گروہ کسی معاملہ میں ایک طریقہ کو سنت سمجھتا ہے اور دوسرا اس کے خلاف سمجھتا ہے تو وہ دونوں طریقے سنت کے ہیں۔ اگر ہم یہ جانتے ہیں کہ دونوں سلف سے ثابت ہیں تو ان میں لڑائی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً میں آمین بالجہر نہیں کہتا لیکن لوگ آمین بالجہر کہتے ہیں تو مجھے بڑا اچھا لگتا ہے اور یہ بات بھی ہے کہ جب امام قرآن کی تلاوت کرتا ہے میں سنتا ہوں تو جو مواقع آمین کہنے کے ہوتے ہیں وہاں میں ہر جگہ آمین کہتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سلف سے ثابت ہے۔

یہ یاد رکھیے! کہ سلف جب ہم بولتے ہیں تو سلف سے مراد صحابہ کا دور ہے۔ صحابہ کے دور میں جو چیزیں ثابت ہیں وہ سلف سے ثابت ہیں۔ باقی رہ گیا آپ کی یہ جو فقہیں ہیں، یہ جو مذاہب ہیں ان سے فائدہ اٹھانے کی واحد شکل صرف یہ ہے کہ کتاب اور سنت کے تحت ان سے فائدہ اٹھائیں۔ اہل علم کا کام یہ ہے کہ فقہ حنفی کی، فقہ شافعی کی، سب فقہوں کی یکساں عزت کریں کیوں کہ یہ سب ہماری فقہیں ہیں اور اسلام کے اصولوں پر سب بنی ہیں۔ ان میں جو فرق ہے وہ اجتہاد کا فرق ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کے اجتہاد کو آپ زیادہ اقرب الی الصواب سمجھیں اور اس کو اختیار کریں اور دوسرا دوسرے اجتہاد کو قوی سمجھتا ہے اور اسے اختیار کرتا ہے۔ لیکن یہ رائے کا اختلاف ہے، کفر وایمان کا اختلاف نہیں ہے۔

ہمارے چاروں ائمہ کو میں بہت اہمیت دیتا ہوں اس کے علاوہ ابن تیمیہؒ کو بہت مانتا ہوں۔

بعض رایوں میں مجھے ان پر جو اعتماد ہے کہ ان کی یہ رائے ٹھیک ہے اس کا میں علی الاعلان فتویٰ بھی دے چکا ہوں۔ یہ بات بھی مانتا ہوں کہ جس طریقہ سے ابن تیمیہؒ ہیں اس طریقہ سے اور بھی لوگ پیدا ہوتے رہیں گے۔

ایک ہی فقہ لے کر بیٹھ گئے تو اس سے بڑے جہل اور حماقت کی بات اور کوئی نہیں۔ ایک ہی فقہ کیوں! سب ائمہ ہمارے ہیں۔ یہ علماء کا کام ہے کہ اس میں سے جس چیز کو اوفق مانیں اس کو اختیار کریں۔ میں اطمینان دلاتا ہوں کہ اگر کسی غیر اوفق کو بھی اوفق مان لیں گے تب بھی ان کے لیے اس اجتہاد میں خیر وبرکت ہے۔ یہ ہے میرا مذہب اور اس مذہب کو مانے بغیر اسلام لانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

یہ بھی یاد رکھیے کہ سنت اور حدیث میں فرق ہے۔ حدیث تو ہر وہ چیز ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے روایت کر دی ہو اور اصحاب الحدیث خود کہتے ہیں کہ اس میں احتمال کذب وصدق دونوں کا ہے۔ سنت میں یہ احتمال نہیں ہے۔ صحابہ کا طریقہ جو ہے وہ سنت ہے اور اس میں جو اختلاف ہے وہ معلوم ہے۔

مالکیہ بعض معاملات میں عمل اہل مدینہ کو اہمیت دیتے ہیں، اخبار احاد کو اہمیت نہیں دیتے۔ علی ھذا القیاس احناف کا حال یہ ہے کہ عموماً بلویٰ میں وہ اخبار احاد کو اہمیت نہیں دیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ صحابہ کا جو مشہور مسلک ہوگا وہ لینا چاہیے۔ اس طریقہ کے اختلافات کو عاقل آدمی کے طریقہ سے طے کرنا چاہیے۔ یہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان اختلافات کو طے کریں۔

سوال: دیت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: جہاں تک کہ دیت کا معاملہ ہے تو یہ اس شکل میں ہوتی ہے جب کہ قتل کے متعلق یہ فیصلہ ہو کہ یہ عمد پر مبنی نہیں ہے، ارادہ کا کوئی دخل نہیں ہے تب دیت ہوتی ہے۔ اور اگر اعزاء واقرباء معاف کر دیں کہ ہم جان کا قصاص نہیں لینا چاہتے تو یہ معافی کی ایک شکل ہے۔ یہ سمجھ لینے کے باوجود کہ اس شخص پر قتل عمد کا الزام نہیں آتا اس پر دیت ڈالی جاتی ہے تو یہ اس لیے ڈالی جاتی ہے کہ اگر نہ ڈالی جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ بالکل مذاق بن جائے کہ اس پر تو کوئی الزام ہی نہیں ہے۔ اس لیے لازم

کیا گیا ہے کہ اگر عمد پایا جائے تو قتل یا خون بہا اور اگر عمد نہیں ہے تو دیت لی جائے۔ اس شکل میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دیت بھاری تاوان بن جائے اور ایک شخص ادا نہیں کر سکتا تو ظاہر ہے کہ یہ چیز بھی شریعت کے منشاء کے خلاف ہے۔ شریعت کسی کے اوپر وہ بوجھ نہیں ڈالتی جس کو وہ اٹھا ہی نہیں سکتا تو یہ ضروری ہے کہ صاحب اقتدار اس پر غور کریں کہ کیا شکل ہوگی۔ اسلام نے یہ کیا ہے کہ دیت کے معاملہ کو عاقلہ پر ڈال دیا ہے یعنی اس کے لیے مشترک اجتماعی نظام ہوتا ہے۔ اسلام اس سسٹم کا بانی نہیں ہے۔ یہ سسٹم پہلے سے چلا آرہا تھا اسلام نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اجتماعی نظام میں ہوتا یہ ہے کہ اصل مجرم کا بھی اس میں حصہ ہوتا ہے باقی سب مل کر دیتے ہیں۔ عرب میں عاقلہ کا سسٹم بہت مضبوط تھا۔ ہر ایک کی عاقلہ کے افراد اس طریقہ سے واضح ہوتے تھے جس طرح سے کہ اس کے بیٹے اولاد بالکل واضح تھے اور پورا عاقلہ مل کر دیت ادا کرتی تھی۔

آپ کے ہاں عاقلہ کا سسٹم تو نہیں ہے۔ اب اگر آپ اسلامی قانون نافذ کریں گے تو سوچنا پڑے گا کہ جب ہمارے ہاں عاقلہ کا سسٹم نہیں ہے تو اس کا حل کیا ہوگا۔ کچھ لوگوں نے اس کے لیے انشورنش کا طریقہ ایجاد کر لیا ہے۔ انشورنس کے طریقہ میں اگر شریعت کے نقطہ نظر سے کچھ خرابی ہے تو جب دعویٰ کیا ہے کہ شریعت ہی کا نفاذ کریں گے تو اس طریقہ میں اصلاح کی سوچئے۔ اس کے لیے یہ طریقہ مفید ہے تو اس کو اپنایا جا سکتا ہے کوئی زحمت نہیں ہے اور مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ یہ تفصیلات طے کرنا حکومت کے ذمہ دار لوگوں کا کام ہے لیکن اس معاملہ میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں ہونی چاہئے کہ کسی بات کو واضح طریقہ پر سمجھے بغیر آپ اسلامی قانون کی کسی دفعہ کا نفاذ کر دیں تو اس سے کتنا بھاری نقصان پہنچ سکتا ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں اسلام سے متعلق کتنی غلط فہمی پیدا ہوئی ہے حالانکہ اسلام میں تو کوئی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے وہاں تو بہت منظم سسٹم عاقلہ کا تھا۔ مجھے بڑی فکر ہوئی کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں اور اس کی شکایت میں نے دین کے ٹھیکیداروں سے بھی کی، میں نے کہا اس مشکل وقت میں آپ نے کوئی بیان نہیں دیا کوئی راہنمائی نہیں دی، ذمہ داری آپ کی تھی کہ آپ بتاتے کہ اس معاملہ میں یہ ہوا ہے۔ آپ لوگوں کو کوئی غلط فہمی نہ ہو کہ اسلام کے قانون میں کوئی غلطی ہے۔ اسلام کا قانون بالکل ٹھیک ہے لیکن بیچارے یہ لوگ جو قانون کو نافذ کرنے والے ہیں افسوس کہ اس کا پتہ نہیں ہے۔

فاران فاؤنڈیشن

• پبلشرز
• بک سیلرز

122۔ فیروز پور روڈ۔ اچھرہ، لاہور۔ 54600 فون: 042-7595200
ای میل: faran@wol.net.pk

پرائس لسٹ

نام کتاب	قیمت
تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ	
1. مجموعہ تفاسیر فراہی	Rs.* 400.00
2. * تفسیر قرآن کے اصول	Rs. 80.00
3. حکمت قرآن	Rs. 120.00
تالیفات مولانا امین احسن اصلاحیؒ	
1. تدبر قرآن — کامل (9 جلد)	Rs. 3,330.00
(فی جلد)	Rs. 370.00
2. قرآن حکیم (سٹینڈرڈ ایڈیشن)	Rs. 600.00
مع ترجمہ اور افادہ وتلخیص تفسیر تدبر قرآن (حواشی ایڈیشن)	Rs. 425.00
3. قرآن مجید مترجم بین السطور ترجمہ	Rs. 520.00
4. اشاریہ تفسیر تدبر قرآن	Rs. 160.00
5. * تدبر حدیث — شرح امام مالکؒ	Rs. 350.00
6. * تدبر حدیث — شرح صحیح بخاری (جلد اول)	Rs. 360.00
7. * تدبر حدیث — شرح صحیح بخاری (جلد دوم)	Rs.* 360.00
8. مبادئ تدبر قرآن	Rs. 160.00
9. مبادئ تدبر حدیث	Rs. 130.00
10. حقیقت شرک وتوحید	Rs. 210.00
11. حقیقت نماز	Rs. 75.00
12. حقیقت تقویٰ	Rs. 75.00
13. تزکیہ نفس — کامل	Rs. 300.00

نام کتاب	قیمت
13. تزکیہ نفس — جلد دوم	Rs. 150.00
14. دعوت دین اور اس کا طریقہ کار	Rs. 160.00
15. اسلامی قانون کی تدوین	Rs. 110.00
16. اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	Rs. 110.00
17. اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	Rs. 160.00
18. قرآن میں پردے کے احکام	Rs. 20.00
19. فلسفے کے بنیادی مسائل — قرآن حکیم کی روشنی میں	Rs. 170.00
20. تفہیم دین	Rs. 130.00
21. مقالات اصلاحی (جلد اول)	Rs. 240.00
22. مقالات اصلاحی (جلد دوم)	Rs. 275.00
23.* اصول فہم قرآن	Rs. 34.00
24. اسلامی ریاست (زیر طبع)	----
تالیفات مولانا خالد مسعودؒ	
قرآن حکیم (سٹینڈرڈ ایڈیشن)	Rs. 600.00
(حواشی ایڈیشن)	Rs. 425.00
مع ترجمہ اور افادہ وتلخیص تفسیر تدبر قرآن — ترجمہ: مولانا امین احسن اصلاحیؒ — حواشی: مولانا خالد مسعودؒ	
حیات رسول امی ﷺ	Rs. 375.00
اسباق النحو	Rs. 36.00